ماہنامہ
دختران اسلام
لاہور
اگست 2024ء

خدا کو کیوں مانیں؟ اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

Fatima Jinnah Voice of Democracy
Beacon of Hope for Women's Empowerment

یومِ تجدیدِ عہد

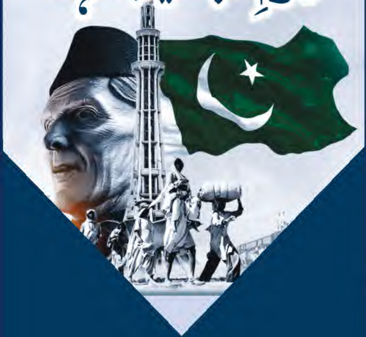

کیا مذہب انفرادی معاملہ ہے؟

صدقات وخیرات کے ذریعے انسانی مدد

میلبورن (آسٹریلیا) میں منعقدہ کانفرنس بعنوان ''جدید سائنس اور خدا کا وجود''
میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا فکر انگیز خطاب اور خصوصی شرکت

محترمہ فضہ حسین قادری کا وکٹورین پارلیمنٹ میں منعقدہ کانفرنس
بعنوان: Muslim Women's National Leadership Conference سے بطور چیف گیسٹ خصوصی خطاب

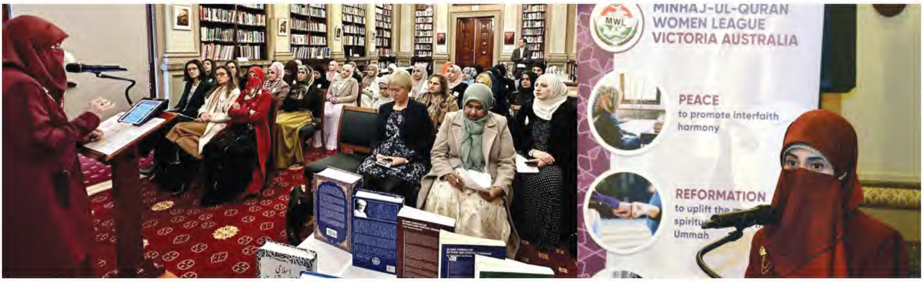

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں
ماہنامہ لاہور
دخترانِ اسلام
جلد: 31 شمارہ: 8 / صفر المظفر ۱۴۴۶ھ / اگست 2024ء

زیرِ سرپرستی بیگم رفعت جبین قادری
چیف ایڈیٹر قرۃ العین فاطمہ

فہرس

اداریہ (والدین اور ریاست کی ذمہ داریاں)		04
خدا کو کیوں مانیں؟ اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟	مرتبہ: نازیہ عبدالستار	06
صدقات وخیرات کے ذریعے انسانی مدد	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	14
سیدہ زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا کانفرنس	لبنیٰ مشتاق	23
کیا مذہب انفرادی معاملہ ہے؟	ڈاکٹر فرح ناز	28
نسلِ نو کی فکری راہ نمائی	سمیہ اسلام	33
’’خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی‘‘	پروفیسر حلیمہ سعدیہ	38
علم اور علماء کی فضیلت (قرآن وحدیث کی روشنی میں	سعدیہ کریم	42
یوم تجدید عہد	ڈاکٹر انیلہ مبشر	50
فقہی مسائل: پیشہ ورانہ ضرورت کے سبب اسلامی لباس ترک کرنے کا حکم؟	دارالافتاء منہاج القرآن	55
گلدستہ: (پھلوں کے بادشاہ آم کے 11 لاجواب فوائد)	نازیہ عبدالستار	60
Fatima Jinnah Voice of Democracy	(Sadaf Maqbool)	65
Social Justice and Impact of Powerfull Economies	(Hadia Saqib Hashmi)	69

ایڈیٹر
ثناء وحید
ڈپٹی ایڈیٹر
نازیہ عبدالستار
مجلس مشاورت
نور اللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ
ڈاکٹر نبیلہ اسحاق، ڈاکٹر شاہدہ مغل
ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصر اللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز
مسز حلیمہ سعدیہ، مسز راضیہ نوید
سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرویا، ڈاکٹر نورین روبی
رائٹرز فورم
آسیہ سیف، سعدیہ کریم، جویریہ سحر ش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سُمیّہ اسلام
کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبدالسلام
فوٹوگرافی
قاضی محمود الاسلام

مجلہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کیے جاتے ہیں
ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہو گا

بدلِ اشتراک

قیمت فی شارہ 60/- روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر

مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر

سالانہ خریداری 700/- روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184
Visit us on: www.minhaj.info | E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

اَللهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِی اللهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ. (النور، ۲۴ : ۳۵)

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال (جو نورِ محمدی کی شکل میں دنیا میں روشن ہے) اُس طاق (نما سینۂ اَقدس) جیسی ہے جس میں چراغِ (نبوت روشن) ہے؛ (وہ) چراغ (قلبِ محمدی کے) فانوس میں رکھا ہے۔ (یہ) فانوس (نورِ الٰہی کے پَرتو سے اس قدر منور ہے) گویا ایک درخشندہ ستارہ ہے (یہ چراغِ نبوت) جو زیتون کے مبارک درخت سے (یعنی عالمِ قدس کے بابرکت رابطہ وحی سے یا انبیاء و رُسل ہی کے مبارک شجرۂ نبوت سے) روشن ہوا ہے نہ (فقط) شرقی ہے اور نہ غربی (بلکہ اپنے فیضِ نور کی وسعت میں عالم گیر ہے)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل (خود ہی) چمک رہا ہے اگرچہ ابھی اسے (وحیِ ربّانی اور معجزاتِ آسمانی کی) آگ نے چھوا بھی نہیں۔ (وہ) نور کے اوپر نور ہے (یعنی نورِ وجود پر نورِ نبوت گویا وہ ذات دوہرے نور کا پیکر ہے)۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور (کی معرفت) تک پہنچا دیتا ہے، اور اللہ لوگوں (کی ہدایت) کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔“

فرمان نبوی ﷺ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّ يُبْتَغٰى بِهِ وَجْهُ اللهِ، لا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيْحَهَا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه.

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے علم حاصل کیا جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے لیکن (اگر) وہ یہ علم حصولِ دنیا کے لئے سیکھتا ہے تو قیامت کے روز وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔“

(المنہاج السوی، ص: ۴۲۸)

خواب

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہوگئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے برندہ و برّاق
اس کی نگہِ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرے میں پوشیدہ ہے جو قوتِ اشراق

(ضربِ کلیم)

تعبیر

آزادی کا مطلب بے لگام ہوجانا نہیں ہے۔ آزادی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ دوسرے لوگوں اور مملکت کے مفادات کو نظر انداز کرکے آپ جو چاہیں کرگزریں۔ آپ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور پہلے سے کہیں زیادہ۔ اب یہ ضروری ہے کہ آپ ایک منظم و مثبت قوم کی طرح کام کریں اس وقت ہم سب کو چاہیے کہ تعمیری جذبہ پیدا کریں۔

(قائدِاعظم محمد علی جناحؒ، ڈھاکہ یونیورسٹی، 26مارچ 1948ء)

تکمیل

ہم دراصل بندے اور مولا کے رشتے کی نوعیت اور حقیقت کو نہیں سمجھتے اور سارے جھگڑے اسی کے ہیں۔ اگر یہ رشتہ سمجھ میں آجائے تو سب جھگڑے ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب پہلے انس ہو، اس لیے کہ یہ جھگڑے علم سے نہیں بلکہ انس و محبت سے ختم ہوں گے۔ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا میں پہلے انس اور محبت کا بیان ہے، پھر فرمایا سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ اس محبت کے نتیجے میں پھر خبر آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ محبت اور انس ہو اور پھر خبر ملے تو ہدایت دیتی ہے۔ محبت کے بغیر بطریق علم خبر ملے تو گمراہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء/ صوفیاء کا اسلوب یہ ہے کہ وہ بطریق عشق خبر دیتے ہیں۔

(شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، ماہنامہ منہاج القرآن، مارچ2018ء)

والدین اور ریاست کی ذمہ داریاں

ایڈیٹر دختران اسلام

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے یعنی اس کنبہ کی پرورش کے حوالے سے جس جس کی ذمہ داری ہے وہ انجام دینے کا پابند ہے۔ نوزائیدہ بچے کی پرورش اور دیکھ بھال والدین کی ذمہ داری ہے اور جب بچہ بڑا ہو جائے تو اُسے تعلیم مہیا کرنا اور تعلیم مکمل ہونے پر اُس کی اہلیت کے مطابق روزگار فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ کوئی شخص اپنی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتا۔ روزِ قیامت جس جس شخص کو انصاف کرنے، تحفظ دینے اور مفاد عامہ کے لئے کوئی عہدہ اور عوامی وسائل خرچ کرنے کا اختیار ملا تو روز قیامت اُس کے اِس اختیار اور تفویض کردہ ذمہ داریوں کے بارے میں کڑی باز پرس ہو گی۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اگر ساحل فرات پر کوئی بے سہارا اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا، ایک دوسری روایت میں بکری کے بچے کا ذکر آیا ہے۔ اسلامی سلطنت کے سربراہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے انتقال پر کچھ فقہا آپ کی اہلیہ کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حالات جاننے کے لئے سوالات کئے تو آپؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت فاطمہ نے بتایا" بخدا! وہ تم میں سے کسی سے بھی زیادہ نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے نہیں تھے لیکن اللہ کی قسم! میں نے کسی بندۂ خدا کو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنے جسم اور ذات کو لوگوں کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ دن بھر لوگوں کی حاجات کے لئے بیٹھے رہتے اگر دن گزر جاتا اور ابھی لوگوں کے کام باقی رہ جاتے تو وہ رات میں بھی لگے رہتے۔ ایک دن یوں ہوا کہ لوگوں کی حاجات سے دن ہی دن میں فارغ ہو گئے تو

شام کو ایک چراغ منگوایا جسے وہ اپنے ذاتی تیل سے جلاتے تھے پھر انہوں نے دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس حال میں سیدھے بیٹھے رہے کہ آنسوئوں کی لڑیاں رخساروں پر بہتی رہیں اور ساری رات یونہی بیٹھے روتے رہے۔ حتیٰ کہ سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو انہوں نے روزے کی نیت کر لی میں نے پوچھا: امیر المومنین! آپ کس وجہ سے یوں بیٹھے روتے رہے؟ انہوں نے کہا: ہاں میرا حال یہ ہے کہ میں اسود و احمر تمام اُمتِ مسلمہ کا والی بنایا گیا ہوں۔ مجھے ملک کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے مساکین، فقراء، محتاج قیدیوں اوران جیسے مظلوم و مقہور لوگوں کی یاد آئی تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ ان کے معاملے میں مجھ سے ضرور جھگڑا فرمانے والے ہوں گے تو میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ اس وقت اللہ کے سامنے کوئی عذر نہ چل سکے گا اور نہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے کوئی حجت پیش کر سکوں گا۔ یہ سوچ کر میں ڈر گیا اور رونے لگ گیا۔ (اس کے بعد ان کی اہلیہ نے کہا اللہ کی قسم! حضرت عمر بن عبدالعزیز بعض اوقات اپنے گھر میں ہوتے جس میں عام آدمی بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے، اس دوران اگر انہیں اللہ کی پیشی یاد آجاتی تو وہ مضطرب ہو جاتے جس طرح وہ چڑیا مضطرب ہوتی ہے جسے پانی میں گرادیا گیا ہو۔ پھر اتنی بلند آواز سے آہ و بکا کرتے کہ میں ان پر رحم کرتے ہوئے اپنے سے اوران سے لحاف ہٹا دیتی۔ پھر فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم! میں اس وقت چاہتی کہ کاش ہمارے درمیان اور اس خلافت و امارت کے درمیان زمین و آسمان کی دوری ہوتی۔''

رعیت کی ذمہ داری کا یہی وہ احساس تھا کہ خلفائے راشدین کے دور میں خلفاء اور عوام کے مابین کوئی دیوار کھڑی نہ کی گئی کہ رعایا کو اپنے کسی حق کی طلب میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب حضرت عمرؓ کے دور میں والی کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے رہنے کے لئے ایک محل بنوایا اور اس میں پھاٹک لگوایا تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے محمد بن مسلم کو بھیج کر اُسے آگ لگوادی۔ حضور نبی اکرم ﷺ، خلفائے راشدین اسلامی سلطنت کے حاکمین ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ ملک چلانے کے لئے عام کے خون، پسینے کے ٹیکسوں کی کمائی سے جو وسائل جمع ہوتے ہیں ان پر پہلا حق عوام کا ہے کہ حکمران یہ پیسہ تعلیم و صحت کی سہولتیں دینے، جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنانے اور زندگی گزارنے کے اسباب کو گرانی سے بچانے کے لئے صرف کریں۔ عوام کے ٹیکسوں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی اسلام میں حرام اور قابل گرفت ہے۔

(بحوالہ اقتصادیاتِ اسلام تشکیلِ جدید، صفحہ نمبر 509، از شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

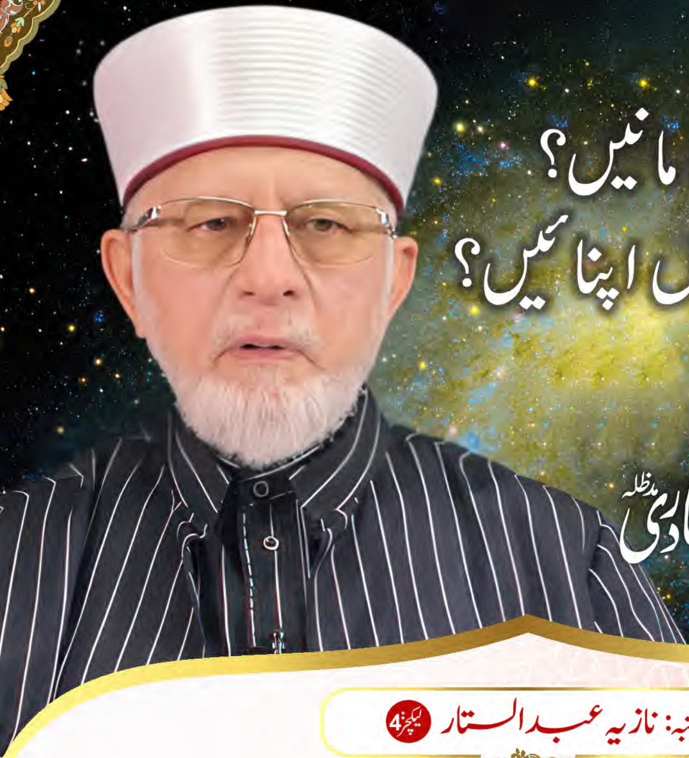

خدا کو کیوں مانیں؟ اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟

خصوصی خطاب
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

مرتبہ: نازیہ عبدالستار لیکچر 4

وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰی (النجم، ۵۳: ۴۵)

اور یہ کہ اُسی نے نَر اور مادہ دو قِسموں کو پیدا کیا O

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی (النجم، ۵۳: ۴۶)

نطفہ (ایک تولیدی قطرہ) سے جبکہ وہ (رَحمِ مادہ میں) ٹپکایا جاتا ہے O

دنیا کی کسی کتاب کا آغاز اس طرح کے چیلنج کے ساتھ نہیں کیا گیا کہ:

"اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔"

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (البقرہ، ۲: ۲)

"(یہ) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، (یہ) پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے"

گذشتہ نشستوں میں ہم نے جن سائنسدانوں اور ریسرچرز کا تذکرہ کیا ان میں سے ایک فرانسیسی سرجن ڈاکٹر موریس ایک آیت قرآنی پر غور کر کے مسلمان ہوا۔ دوسرا برطانیہ پولیس کا چیف کمانڈر 1993ء میں ۴ سال تک قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے بعد ۲ سبجیکٹس پر تحقیق کرنے کے بعد

مسلمان ہو گیا۔ ڈاکٹر گیری ملر جو ٹورنٹو یونیورسٹی میں ریاضی اور منطق کے پروفیسر تھے انہوں نے قرآن مجید میں غلطیاں تلاش کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں حق کو پا گئے اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید غلطیوں سے پاک ہے۔

3 اپریل 1995ء میں شیخ الاسلام نے کینیڈا کا دورہ کیا۔ وہاں ایک پروفیسر تھے ڈاکٹر کیتھ مور جن کی وفات 2019ء میں ہوئی۔ یہ یونیورسٹی آف ٹورنٹو میں اناٹمی اور ایمبریولوجی کے پروفیسر تھے۔ اور AACA کے چیئرمین تھے۔ بہت سی معروف کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ شیخ الاسلام انہیں دعوت اسلام دینے کیلئے گئے تھے اور ان کی رہائشگاہ پر ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے شیخ الاسلام کو اپنی دو کتب سائن کر کے تحفے میں دیں اور شیخ الاسلام نے انہیں اپنی 2 کتب Islam on Embryology & The Expansion of Universe دیں۔ وہ شیخ لاسلام کی کتب میں اپنی کتاب کے حوالہ جات دیکھ کر بہت خوش اور حیران ہوئے۔ ان کے ساتھ طویل نشست ہوئی۔ نشست کے اختتام پر شیخ الاسلام نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے نہ ہی ہاں کہا اور نہ ہی ناں، لیکن بہت خوشگوار جواب دیا۔ ان کے جواب میں میں ان کی اسلام سے محبت اور اسلام کیلئے عقیدت جھلکتی تھی۔

انھوں نے واضح کر دیا کہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں انھوں نے اس تحقیق کو 1980ء میں شروع کیا تھا اور میری ملاقات ان سے 1995ء میں ہوئی۔ پندرہ سال کی تحقیق کے بعد انھوں نے کہا میں نے جو کچھ قرآن پاک میں پایا ہے اس سوال کا جواب اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ یہ اللہ رب العزت کی وحی ہے۔ وحی ربانی کا علم ہے جو قرآن مجید میں اترا اور ہم تک پہنچا۔ اگر اللہ کے وجود کو نہ مانیں، قرآن کو نہ مانیں اور حضور علیہ السلام کو سچا رسول نہ مانیں تو ایک سائنٹسٹ ہونے کے ناطے (مذہباً عیسائی ہوں) میرے پاس اس امر کا کوئی جواب نہیں کہ جو تحقیقات ہمیں اب 50 سال کے عرصے میں میسر آئیں کہ بچہ ماں کے رحم میں پیدا کیسے ہوتا ہے؟ کن کن مراحل سے گزرتا ہے کیا کیا جزئیات و تفصیلات ہیں یہ وہ معلومات ہیں جن کا ادراک سائنس کو 50 سال قبل ہوا ہے۔

1941ء کے بعد سائنس کو ادراک ہوا ہے۔ 20 ویں صدی سے پہلے چالیس سالوں میں بھی انسانیت کے پاس یہ معلومات نہیں تھیں مگر وہ معلومات مکمل درستگی کے ساتھ قرآن نے ساڑھے چودہ سال قبل فراہم کر دیں۔ اس حیرت کا میرے پاس کوئی جواب نہیں سوائے اس کے کہ میں مانو کہ قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے۔ حضور علیہ السلام اللہ کے سچے پیغمبر ہیں یہ اللہ کی وحی کے ذریعے نازل ہوا۔ اس

کے بعد شیخ الاسلام کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ظاہراً ان کا اختتام کہاں پر ہوا اس کا علم نہیں ہے۔ معلوم نہیں کہ خاموشی سے انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہو لیکن مجھے ان کے احوال کا علم نہیں۔

1980ء میں ڈاکٹر کیتھ مور کو دعوت دی گئی کہ سعودی عرب میں کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں ایمبریالوجی اور اناٹمی پر لیکچر دیں۔ وہ اس سبجیکٹ میں عالمی اتھارٹی رکھتے تھے۔ ان کی جتنی بھی کتب ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جب کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں لیکچر دے چکے تو وہاں ایک ایمبریالوجی کمیٹی تھی۔ کمیٹی نے انہیں دعوت دی کہ ہمارے پاس قرآن مجید کی کچھ آیات ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی تشریح آپ سے کروائیں۔ ایک اناٹمس اور سائنٹسٹ ہونے کے ناطے قرآن کیا کہہ رہا ہے۔ اس طرح آقا علیہ السلام کی کچھ احادیث مبارکہ ہیں ان کی تشریح کر دیں۔

ڈاکٹر کیتھ مور کہتے ہیں کہ جب میں نے قرآن کی آیات وحدیث کے ترجمے دیکھے تو میں دھنگ رہ گیا کہ قرآن وحدیث کے بیان اور فراہم کردہ موضوعات میں اتنی درستگی تھی کہ ماں کے پیٹ میں بچے کی نشوونما سے متعلق جس کا تصور آج سے چودہ سو سال پہلے روح زمین کا کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔ چودہ سو سال قبل قرآن نے مکمل درستگی اور منظم تفصیل کے ساتھ وہ معلومات فراہم کر دیں جو ابھی ہمیں 1995ء میں اس صدی کے 50 سال پہلے ملی ہیں۔ مغربی دنیا کے تمام اناٹمس اور ایمبریالوجسٹ کہتے ہیں کہ یہ جو علم ہے کہ بچہ رحم مادر میں کیسے پیدا ہوتا ہے اور کس طرح اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ سولہویں صدی عیسوی تک جبکہ آج 21 ویں صدی ہے۔ آج سے 4، 5 سو سال پہلے تک پوری روح زمین پر ہر طرف ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق ونشوونما کا بس وہی علم تھا جو ارسطو اور ان کے ہم زمانہ لوگوں نے دیا تھا۔ وہی علم عیسیٰ علیہ السلام سے دو سو سال بعد تک چلا آرہا تھا۔ سولہویں صدی تک اس میں ایک رتی کے برابر بھی ترقی نہیں ہوئی تھی۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب نیوٹن آیا نیوٹن کے زمانے تک اور تب سارے سائنس دانوں کے پاس جو علم تھا کہ زمین ساکن ہے متحرک نہیں۔ نیوٹن بھی اس پر یقین کرتا تھا اور سارے سائنس دان بھی اس پر یقین رکھتے تھے۔ 1915ء تک یہی علم تسلیم کیا جاتا رہا اور دنیا کے کسی خطے میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ہر کوئی سمجھتا تھا کہ زمین ساکن ہے۔ 1915ء میں آئن سٹائن نے آکر زمین کے ساکن ہونے کا تصور بدلہ اور کہا زمین متحرک ہے۔ یہ تصور دے کر اس نے نیوٹن کے نظریہ کو رد کر دیا مگر یہ ثابت نہیں کر سکا کہ کائنات وسیع بھی ہو رہی ہے۔ 1922ء سے لے کر 1965ء تک 40 سالوں میں سائنس کی دنیا اس علم پر پہنچی کہ کائنات متحرک بھی ہے اور ہمہ وقت اس میں پھیلاؤ بھی ہو رہا ہے۔ سائنس اس طرح درجہ بدرجہ ترقی کرتی رہی ہے۔ دو سو سال قبل

یہ ترقی شروع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ہزار یا بارہ سو سال کے عرصہ کو Dark ages کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مغربی دنیا اور یورپ اندھیرے میں تھا۔ لیکن اسلام اندھیرے میں نہیں تھا قرآن مجید اور حدیث مبارکہ کے علم کے نور کی وجہ سے یہ علوم واضحیت کے ساتھ موجود تھے۔

مغربی دنیا و سائنسدان ایک ہزار سال تک اسی اندھیرے میں ڈوبے رہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی مگر اسلام روشنی میں تھا۔ سر زمین مکہ و مدینہ سے نور چمکا تھا جس نے مسلم دنیا کو روشن کر دیا تھا۔ قرآن و حدیث علوم اسلامیہ کے چشمہ نور سے آقا علیہ السلام کے غلاموں نے مراکز علم قائم کر دیئے تھے۔

1915ء تک آئن سٹائن سے قبل دو ہزار سال تک سائنس رکی ہوئی تھی کہ ساری کائنات جامد ہے۔ اس طرح ایمبریالوجی کا علم بھی کہ ماں کے رحم میں بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے اور کن مراحل سے گزرتا ہے اس پر سائنس سولہویں صدی تک رکی ہوئی تھی۔ سولہویں صدی سے ایک ہزار سال قبل آقا علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ عرب میں تو علم نہیں تھا یہ تو ان پڑھ بدوں کا معاشرہ تھا جبکہ روم، ایران اور یونان کے جن خطوں میں علم تھا ان کو بھی ایمبریالوجی کا جدید علم نہیں تھا اس زمانے میں ایمبریالوجی میں کوئی ترقی نہیں ہوئی تھی۔ سترہویں صدی عیسوی میں مائیکروسکوپ ایجاد ہوئی تب جا کر مائیکروسکوپ سے مطالعہ کیا جانے لگا مگر انسان کا مائیکروسکوپ مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا حیوانوں کا کرتے رہے مگر انسان کا بطور خاتون بچہ کا رحم مادر میں سترھویں صدی عیسوی، اٹھارویں اور انیسویں میں بھی نہیں کر سکے۔ تین سو سال تک عورت کے رحم کے اندر بچے کی پیدائش کا مطالعہ مغربی سائنس میں نہیں ملتا اور اس کے بعد بھی تین سو سال تک نہیں ملتا۔ اب میں تاریخ کا ریکارڈ دے رہا ہوں ان بیٹے اور بیٹیوں کے لیے جو کہتے ہیں خدا کو کیوں مانے اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟ جہاں سے یہ غلط فکر ملی ہے یہ ان سے سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ جو حقائق قرآن میں بتائے گئے ہیں کیا اس میں ایک غلطی بھی ہے؟ جو سائنس کا علم رکھتا ہے وہ کہے گا نہیں۔ وہ لوگ جو لوگوں کو منتشر کر کے یہ گمراہی پھیلا رہے ہیں وہ خود سائنسدان نہیں نہ ہی تحقیق کی صلاحیت رکھتے ہیں گمراہی کا یہ عمل جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر کیتھ مور لکھتے ہیں کہ ترقی ہوتی گئی انیسویں صدی آئی اس میں ابتدائی طور پر کوششیں ہونے لگیں کیونکہ مائیکروسکوپ موجود تھیں۔

انسانی ایمبریو کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے یہ کاوشیں آگے بڑھتی رہیں۔ حتیٰ کہ بیسویں صدی عیسوی آگئی۔ 1914ء میں ایک سائنسدان موب نے انسانی ایمبریو ایک سیریز میں ترتیب دے کر اس کا مطالعہ شروع کیا مائیکروسکوپ تھی لیکن انسانی ایمبریو کی سٹڈی کے لیے کوئی سسٹم ڈویلپ نہیں ہوا تھا۔

1941ء کے ایک سائنسدان نے مائیکروسکوپ کی بنیاد پر ایک نظام وضع کیا جس نظام میں ماں کے رحم میں بچہ کی پیدائش، نشوونما کے مراحل کو سٹڈی کیا جاسکتا ہے۔ یہ سٹڈی 1914ء کے بعد ہوئی۔ آج سے 83 سال قبل اس علم تک رسائی ہوئی کہ ماں کے رحم میں بچے کی پرورش کن مرحلوں میں ہوتی ہے۔ ایمبریو ڈویلپمنٹ کس طرح سٹیجز میں ہوتی ہے اس کا مطالعہ 1980ء سے پہلے اور 1941ء کے بعد ہوا۔

اس سے قبل کسی مغربی دنیا میں اس کا علم نہیں تھا۔ پھر یہی سسٹم 1973ء میں مزید ڈویلپ ہوا۔ ایک اور سائنس دان آیا اس نے اسی مطالعہ کو بڑی تفصیل سے واضح کرنے کے طریقے واضح کر دیئے۔ درج بالا ساری وضاحت ایک بیک گراؤنڈ ہے تاکہ جب قرآن مجید کی وضاحت دوں تو پتہ ہو کہ قرآن کس وقت میں نازل ہوا سائنس اس تحقیق کو کب واضح کر رہی ہے اور ہم کہاں کھڑے ہیں۔ جتنی معلومات آئیں ہیں یہ ساری معلومات سائنس کو اور سائنسدانوں کو 1941ء کے بعد ملیں۔ اس سے پہلے کسی کو کوئی خبر نہیں تھی۔ 1941ء کے بعد انسانیت کو علم حاصل ہوا۔

پیدائش کیسے ہوتی ہے؟ مرد کی طرف سے تولیدی مادہ چلتا ہے جس کو آپ منی کہتے ہیں۔ جب میاں بیوی کا ملاپ ہوتا ہے۔ مرد کی طرف سے جو سیل آتے ہیں۔ اس کو سپرم کہتے ہیں۔ مرد کا جو مادہ

نکلتا ہے اس کے اندر سپرم ہوتے ہیں انڈا کو اووم کہتے ہیں جو عورت کی بیضادانی سے نکلتا ہے اس کو اووری کہتے ہیں۔ مرد کا مواد انڈے میں اووری میں داخل ہوتا ہے۔ سائنس نے بتایا جب یہ داخل ہوتے ہیں۔اس وقت مرد کی منی کے اندر 2 کروڑ سے 4 کروڑ سپرم ہوتے ہیں۔ اتنا بڑا عدد کس نے پیدا کر دیا؟ یہ نظام کس نے بنایا ہے دو کروڑ سے ۴ کروڑ ایک بار میں جاتے ہیں۔ ان دو کروڑ سے چار کروڑ سپرمز نے جانا کہاں ہوتا ہے؟ اووم تک انڈے تک وہ ان کی منزل ہے۔ (انڈا) وہ انتظار کر رہا ہوتا ہے ماں کی بیضادانی کے باہر فلوپین ٹیوب میں یہ انڈا نہیں دوڑ کر جاتا بلکہ سپرم دوڑ کر جاتے ہیں۔ ان کی منزل اس انڈے تک پہنچنا ہوتی ہے۔ لہذا سپرم سفر پر چلتے ہیں۔ دو کروڑ یا چار کروڑ کوئی راہ میں مر جاتا ہے کئی بھٹک جاتے ہیں کئی راہ میں گم ہو جاتے ہیں کچھ تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں اس انڈے کی منزل تک صرف دو سو پہنچتے ہیں۔

اس بات میں روحانی تربیت کی ایک بات ہے کہ اللہ کو پانے کا سفر بہت لوگ شروع کرتے ہیں اللہ کی رضا سفر، نیکی و تقویٰ کا سفر ایمان کے استحکام کا سفر مگر سفر میں مشقتیں ور کاوٹیں آتی ہیں۔ پریشانیاں آتی ہیں۔ ان مشقتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس کو صبر واستقامت کہتے ہیں جو راہ چھوڑ بیٹھیں۔ راہ میں بھٹک جائیں، ہار جائیں، بیٹھ جائیں وہ منزل پر نہیں پہنچتے جس طرح تولیدی مادے میں سپرم دو کروڑ چلے تھے منزل پر پہنچے دو سو۔ سفر تو شروع ہر کوئی کرتا ہے مگر پہنچتا کوئی کوئی ہے۔ اللہ ہمیں ان میں شامل کرے جو منزل تک پہنچتے ہیں۔ ہر انسان کی تخلیق کے نظام کے اندر اللہ رب العزت نے یہ اصول رکھ دیا ہے۔ منزل پر دو سو پہنچ گئے اب اس (انڈے) میں داخل ہونا ہے۔ ملاپ ہوگا تو اس کے نتیجے میں نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔ پہنچے ۲ سو تھے مگر اندر داخلہ صرف ایک کو ملتا ہے۔ یہ کم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں دو داخل ہوں تو دو بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یونہی ایک سپرم اپنا سر داخل کرتا ہے۔ اس میں سیل ممبرین میں فوری تبدیلی آتی ہے۔ وہ سخت ہو جاتا ہے ایک داخل ہوتا ہے باقی ساروں کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ وہ جھلی کسی اور کو داخل ہونے ہی نہیں دیتی کون ہے وہ ذات جو ان امور کی تدبیر کرنے والی ہے؟ آپ کر رہے ہیں؟ مرد کر رہا ہے؟ عورت کر رہی ہے یا اللہ کرتا ہے؟ ہمیں تو یہ شعور ہی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے تو ہے نا کوئی تدبیر کرنے والا جو ایک سپرم کو دو کروڑ سے چار کروڑ سپرم بنا کر چلاتا ہے۔ کوئی تو ہے جس نے یہ امر دے رکھا ہے۔

انڈے کو کس کا حکم ہے کہ تو بیضہ دانی کے باہر کھڑا رہ اور انتظار کر اور تو منزل ہے مسافر آرہے ہیں انہیں تو پہنچنے دے کوئی تو ہے جو انڈے کو فلوپین ٹیوب میں روکے رکھتا ہے۔ کوئی تو ہے جو ایک کو داخل کر کے جھلی کو اس طرح بند کر دیتا ہے کہ کوئی اور نہ جا سکے۔ جب سپرم داخل ہو جاتا ہے تو ان کا جب

ملاپ ہوتا ہے۔ لہذا اسپرم اور اووم جب ملتے ہیں اس کو فرٹیلائزیشن آف ایگ کہتے ہیں۔ مرد اور عورت کا خلیہ مل کر ایک نیا خلیہ بن جاتا ہے۔ اس کا نام ہے زائیگوٹ اس کو نطفہ کہتے ہیں۔ اس کے داخل ہوتے ہی جو کوئی انسان تشکیل پانا ہے اس کے سارے فیصلے ہو جاتے ہیں۔ سارے افعال، خصوصیات تیار ہو جاتے ہیں۔ اس نے کیا بننا ہے فیصلہ ہو جاتا ہے۔ یہ انڈا دو دن تک اپنا سفر شروع کرتا ہے فلو پین ٹیوپ کے اندر یوٹرس کی طرف جانے کے لیے جہاں بچے نے آرام پکڑنا ہے۔ دو دنوں میں سفر شروع کرتا ہے پھر ٹیوب میں واپس چار، پانچ دن اور لگا کر وہ یوٹرس میں استقرار پکڑ لیتا ہے۔ یوٹرس کی لائننگ ہوتی ہے اس کے ساتھ جا کر لٹک جاتا ہے۔ جب سکونت اختیار کر لیتا ہے تب کہتے ہیں حمل ٹھہر گیا ہے۔ اس کو جنین کہتے ہیں۔ پھر اس کی زندگی کی نشو و نما شروع ہوتی ہے۔ جب مرد کا سیل اور عورت کا خلیہ ملے تھے تو نیا سیل بنا تھا اس کو نطفہ کہتے ہیں۔ جب مرد اور عورت کی سیلز ملتے ہیں تو دونوں کی طرف سے کروموسومز کی ایک تعداد آتی ہے جن میں سے دو مرد کے سیکس کروموسومز ہوتے ہیں اور دو عورت کی طرف سے سیکس کروموسومز ہوتے ہیں۔ جب زائیگوٹ بنتا ہے اس میں 46 کروموسومز ہوتے ہیں۔ جنس متعین کرنے کے لیے اب جو مرد کے پاس کروموسومز ہیں وہ دو قسموں کے ہیں ایک کا نام ہے x اور دوسرے کا نام y ہے مرد کے اندر دو y آتے ہیں۔ عورت کے پاس جو کروموسومز ہے وہ صرف x ہے عورت کے پاس y نہیں ہوتا دو x ہوتے ہیں اور دونوں ایکس xx ہوتے ہیں۔ مرد کے اندر سے جو کروموسومز آتے ہیں اس میں کروموسومز x ہے اور y بھی ہے۔ اگر تو x کروموسومز فرٹیلائز کرے تو بیٹی پیدا ہوتی ہے کیونکہ عورت کے پاس y ہوتا ہی نہیں عورت کے پاس دونوں xx ہوتے ہیں۔ مرد کے پاس مرد والا کروموسوم بھی اور عورت والا بھی ہے۔ مرد کا x چلا گیا تو بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ بیٹا اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب مرد کی طرف سے y فرٹیلائز کرے عورت کے پاس x تھا جب مرد کا y ملا تو وہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ بیٹا پیدا ہو گا۔ بہت سارے والدین جو کہتے ہیں ہماری بیٹیاں ہی بیٹیاں ہیں بیٹا نہیں ہو رہا۔ کئی مائیں اپنے بیٹوں کی نئی شادیاں کروا دیتی ہیں۔ میں ان کو کہنا چاہتا ہوں اس میں قصور کسی کا نہیں ہے خاص طور پر اس میں آپ کی بہو کا قصور ہی کوئی نہیں۔ بہو کے پاس تو دونوں xx تھے اگر قصور ہے تو آپ کے بیٹے کا ہے۔ x اور y کا فیصلہ آپ کے بیٹے کی طرف سے ہونا ہے۔ عین جس وقت ملاپ ہوتا ہے y زائیگوٹ میں چلا جائے تو بیٹا بن جائے گا۔ اور اگر x چلا جائے تو بیٹی بن جائے گی۔ یہ عین اس وقت پر فیصلہ ہو جاتا ہے۔

(جاری ہے)

یوں دی ہمیں آزادی

فیاض ہاشمی

یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیران
اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان
ہر سمت مسلمانوں پہ چھائی تھی تباہی
ملک اپنا تھا اور غیروں کے ہاتھوں میں تھی شاہی
ایسے میں اُٹھا دینِ محمد کا سپاہی
اور نعرہ تکبیر سے دی تُو نے گواہی
اسلام کا جھنڈا لیے آیا سرِ میدان
اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان
تیرا احسان ہے تیرا احسان
دیکھا تھا جو اقبال نے اک خواب سہانا
اُس خواب کو اک روز حقیقت ہے بنانا
یہ سوچا جو تُو نے تو ہنسا تجھ پہ زمانہ
ہر چال سے چاہا تجھے دشمن نے ہرانا
مارا وہ تو نے داؤ کہ دشمن بھی گئے مان
اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان
تیرا احسان ہے تیرا احسان
لڑنے کا دشمنوں سے عجب ڈھنگ نکالا
نہ توپ نہ بندوق نہ تلوار نہ بھالا
سچائی کے انمول اصولوں کو سنبھالا
پنہاں تیرے پیغام میں جادو تھا نرالا
ایمان والے چل پڑے سُن کر تیرا فرمان
اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان
تیرا احسان ہے تیرا احسان
پنجاب سے بنگال سے جوان چل پڑے
سندھی، بلوچی، سرحدی پٹھان چل پڑے
گھر بار چھوڑ بے سرو سامان چل پڑے
ساتھ اپنے مہاجر لیے قرآن چل پڑے
اور قائد ملت بھی چلے ہونے کو قربان
اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان
تیرا احسان ہے تیرا احسان
نقشہ بدل کے رکھ دیا اس ملک کا تُو نے
سایہ تھا محمد کا، علی کا تیرے سَر پہ
دنیا سے کہا تو نے کوئی ہم سے نہ الجھے
لکھا ہے اس زمیں پہ شہیدوں نے لہو سے
آزاد ہیں آزاد رہیں گے یہ مسلمان
اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان
تیرا احسان ہے تیرا احسان
ہے آج تک ہمیں وہ قیامت کی گھڑی یاد
میت پہ تیری چیخ کے ہم نے جو کی فریاد
بولی یہ تیری روح نہ سمجھو اسے بیداد
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
گر وقت پڑے ملک پہ ہو جایئے قربان
اے قائد اعظم تیرا احسان ہے احسان
تیرا احسان ہے تیرا احسان

صدقات وخیرات کے ذریعے انسانی مدد

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ (البقرہ، 2: 272)

’’ اور تم جو مال بھی خرچ کرو سو وہ تمہارے اپنے فائدے میں ہے اور اللہ کی رضاجوئی کے سوا تمہارا خرچ کرنا مناسب ہی نہیں ہے، اور تم جو مال بھی خرچ کرو گے (اس کا اجر) تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا‘‘۔

یہ آیہ کریمہ صدقات اور خیرات کے باب میں انفاق فی المال کی ضرورت واہمیت کو واضح کر رہی ہے کہ انسان کی ہر بدنی نیکی اور ہر مالی نیکی کا مقصود اپنی ذات کو ہی نفع وفائدہ پہنچاتا ہے مگر ہر نیکی کی روح اللہ کی رضا اور خوشنودی ہونی چاہیے۔ ہر عبادت کا اصل مقصد اللہ کو راضی کرنا ہو اور اس کی رضا طلبی ہو۔ رضائے الٰہیہ کا یہی اخلاص ہی انسان کو عبدیت میں کامل کرتا ہے اور ایسی نیکی ہی اللہ کی بارگاہ سے اپنا اجر کامل صورت میں اور عظیم ثواب کی صورت میں لاتی ہے۔

اللہ ہمارے عمل سے آگاہ ہے

باری تعالیٰ ہماری ہر نیکی کو اور ہماری ہر بدی کو خوب جانتا ہے۔ ہمارا کوئی بھی اچھا عمل اور ہمارا کوئی بھی برا عمل اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ اس لیے وہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔ (البقرہ، 2: 272)

”اور تم جو مال بھی خرچ کرو بے شک اللہ اسے خوب جانتا ہے۔“

ہر نیکی انسان کی اپنی بھلائی اور خیر کے لیے ہے۔

اس لیے سورہ البقرہ ہی میں ارشاد فرمایا:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (البقرہ، 2: 110)

”اور تم اپنے لیے جو نیکی بھی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے حضور پا لو گے، جو کچھ تم کر رہے ہو یقینا اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

صدقات و خیرات انسان کی زندگی میں کچھ واجبہ ہیں اور کچھ نافلہ ہیں۔ صدقات واجبہ میں سے زکوٰۃ ہے، صدقات نافلہ میں سے ہر وہ انفاق ہے جو زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ صدقہ واجبہ اور زکوٰۃ کے لیے باری تعالیٰ نے قرآن حکیم ارشاد فرمایا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ (البقرہ، 2: 110)

”اور نماز قائم (کیا) کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو۔“

سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (التوبۃ، 9: 60)

”بے شک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔ یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔“

صدقات کے مستحقین

اس آیت کریمہ نے صدقہ واجبہ کے مستحقین کا تعین کر دیا ہے اور اس صدقہ واجبہ کے مصرف کو مقرر کر دیا ہے اور اسے اللہ کی طرف سے صاحب نصاب لوگوں پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ انہیں ہر حال میں اس صدقہ واجبہ کا ادائیگی میں اہل ہونے پر اسے انفاق کرنا ہے۔

باری تعالیٰ ان صدقات و خیرات کو اپنی بارگاہ میں کبھی قرض حسنہ کا نام دیتا ہے اور کبھی ان کو زکوٰۃ

کا نام دیتا ہے اور کبھی ان کو صدقہ کا نام دیتا ہے اور کبھی ان کو رزق کا نام دیتا ہے اور کبھی اس کو انفاق فی المال کا نام دیتا ہے اور کبھی اس کو خیر کا نام دیتا ہے۔ غرضیکہ صدقات و خیرات کے باب میں نام کوئی بھی ہو اس رب کا وعدہ ہے جو یہ صدقہ و خیرات کا عمل کرے گا تو میں اس کے رزق کو بڑھادوں گا۔ اس کے رزق کو کشادہ کر دوں گا اور اس کے رزق کو دوگنا اور کئی گنا کر دوں گا اور اس کے رزق کو حالت بسط عطا کر دوں گا اور اس کا انفاق کا یہ عمل خیر ہی خیر ہو گا اور یہ صدقہ اس بندے کے لیے اللہ کی بارگاہ میں بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہو گا۔

قرض حسنہ کی طلبی میں راز

اس لیے سورہ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ ۪ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ۔ (البقرہ، 2: 245)

"کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے پھر وہ اس کے لیے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

اب اس آیہ کریمہ میں فی سبیل اللہ انفاق کرنے کو قرض حسنہ قرار دیا ہے اور فرمایا جو اللہ کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں انفاق کرتا ہے اور اللہ کی مخلوق پر اسی کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے وہ اللہ کو (سبحان اللہ) قرض حسنہ دے رہا ہے۔ کہاں وہ رب اور کہاں یہ بندہ اور اس بندے کے پاس جو کچھ ہے رب ہی کا عطا کردہ ہے مگر اس رب کی شان کریمی دیکھیں وہ خود دے کر اور خود ہی کچھ اپنی عطا کردہ توفیق کے مطابق اگر کچھ لے تو وہ اسے قرض حسنہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ وہ تو مالک ہے مالک تو دینے والا ہے اور بندے کے پاس سارا مال اسی مالک کا ہے مگر بندہ جب اس کے حکم کے مطابق اس کے ضرورت مند اور محتاج بندوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ رب کہتا ہے ان ضرورت مند بندوں پر خرچ کرنا ایسے ہے جیسے کوئی مجھے قرض حسنہ دے رہا ہے۔

میں اس بندے کے اس قرض حسنہ کو لوٹاؤں گا اور اسے ہر حال میں واپس کروں گا۔ میں رب ہو کر اپنے بندے کے اس قرض حسنہ کی واپسی کا وعدہ کرتا ہوں مگر اس بندے کو ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی دیتا ہوں یہ قرض حسنہ اس کو کئی گنا کر کے اور اس کے مال میں کئی گنا اضافہ کر کے اور اس کے مال میں کئی گناہ برکت پیدا کر کے لوٹاؤں گا۔ اس لیے کہ بندے کے رزق میں

کشادگی، فراخی، اضافہ و زیادتی اور اس کے ساتھ تنگی و کمی، قلت و دشواری پیدا کرنا میری ہی قدرت میں ہے۔ اس حقیقت کو یوں واضح کیا۔

اللہ کو قرض حسنہ دینا مال کو بڑھانا ہے

ارشاد فرمایا:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَاللهُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (البقرۃ، 2: 245)

’’کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے پھر وہ اس کے لیے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔‘‘

اس آیہ کریمہ میں واضح کیا جو اللہ کو قرض حسنہ اس کی ضرورت مند اور حاجت مند مخلوق پر خرچ کرنے کی صورت میں دے گا۔ باری تعالیٰ نے فرمایا جو میرے محتاج بندوں پر خرچ کرے گا اسے میں قرض حسنہ شمار کروں گا اور اس قرض حسنہ کو اس بندے کو اضعافاً کثیرۃ کئی گنا بڑھا کر عطا کروں گا۔ صدقات اور خیرات کی صورت میں خرچ کیے ہوئے مال کو بڑھانا اور اس مال میں برکت پیدا کرنا اور اس مال میں مسلسل اضافہ کرتے رہنا یہی عمل مشیت الٰہیہ ہے۔

اس لیے سورہ البقرہ میں ہی ارشاد فرمایا:

یَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ وَاللهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ۔ (البقرۃ، 2: 276)

’’اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

اسی تصور کو سورہ الحدید میں یوں واضح کیا ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ۔ (الحدید، 57: 18)

’’بے شک صدقہ و خیرات دینے والے مرد اور صدقہ و خیرات دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسنہ کے طور پر قرض دیا ان کے لیے (صدقہ و قرضہ کا اجر) کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور اُن کے لیے بڑی عزت والا ثواب ہو گا۔‘‘

صدقہ اور خیرات کرنے والے اس دنیا میں اپنے مال میں اضافہ اور بڑھوتری پاتے ہیں اور اگلی دنیا جو آخرت ہے اس میں بڑا اجر و ثواب پانے والے ہیں۔ گویا صدقہ و خیرات کا عمل اس دنیا میں بھی مال

میں خیر و برکت اور اضافے کا باعث ہے اور یہی عمل اخروی نجات کا سبب بھی ہے۔

صدقہ مال میں اضافے کا باعث ہے

بندے کو یہ سوچ کر کہ صدقے کے ذریعے مال میں کمی ہو جائے گی۔ خیرات کے ذریعے مال میں تنگی ہو جائے گی اور مالی حالت میں برتری اور دشواری آجائے گی۔ ان تصورات اور خیالات کی بنا پر بندے کو کبھی اپنا ہاتھ صدقہ و خیرات سے نہیں روکنا چاہیے۔ اس لیے کہ رزق میں اضافہ اور کمی رب کی مشیت اور رب کی قدرت اور رب کی عطا اور رب کی کرم نوازی اور رب کی خوشنودی اور رب کی ناراضگی سے ہوتا ہے۔ رزق کو بڑھانا اور رزق کو کم کرنا اس کی دست قدرت میں ہے۔

اس لیے وہ فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔ (السباء، 34: 39)

”فرما دیجیے: بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لیے (چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اور تم (اللہ کی راہ میں) جو کچھ بھی خرچ کرو گے تو وہ اس کے بدلہ میں اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔“

یہ آیہ کریمہ اہل ایمان کو انفاق فی المال کے حوالے سے ہر اندیشے اور ہر خطرے اور ہر وسوسے سے امان اور تحفظ دیتی ہے کہ اللہ کے رزق میں سے جی بھر کر اللہ کی راہ میں خرچ کرو مال میں تنگی اور کمی کے اندیشے کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ اس لیے کہ وہ رب ہی تمہارے رزق اور مال میں قوتِ بسط اور قوتِ قدر کا مالک ہے۔ مال میں فراخی بھی اس کی عطا ہے اور مال میں کمی بھی اس کی حکمت ہے۔ وہ بندے کے مال میں فراخی اور تنگی دونوں حالتوں پر قادر ہے اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔ (السباء، 34: 39)

” اور تم (اللہ کی راہ میں) جو کچھ بھی خرچ کرو گے تو اللہ اس کا بہتر اور عمدہ بدل تمہیں اپنی بارگاہ سے عطا کرے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔“

اور وہ بہتر بدل کبھی مال میں برکت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ عمدہ بدل کبھی مال میں اضعافاً کثیرۃ (کئی گنا اضافہ) کی صورت میں رونما ہوتا ہے اور اس تصور کو ہمیشہ ذہن میں رکھو تم طالب رزق ہو اور وہ مالک رزق ہے وہ جسے چاہے اس پر اپنے رزق کے دروازے کھول دے۔

صدقات و خیرات کے عمل کے ذریعے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں انسان کو اللہ کی قربت اور

رضا حاصل ہوتی ہے اور انسان کو اس صدقہ و خیرات کے ذریعے ہر خوف و حزن سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

صدقے کا عمل خیر ہی خیر ہے

اس لیے ارشاد فرمایا:

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ (البقرۃ، 2: 271)

”اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمہارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا، اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔“

اور اسی طرح سورہ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (البقرۃ، 2: 274)

”پس ان صدقہ و خیرات والوں کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔“

اب سوال یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کا عمل کیسے کیا جائے اور اس میں کون سا طریقہ اپنایا جائے اور کس انداز سے دوسرے انسانوں کی مدد کی جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ (البقرۃ، 2: 271)

”اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے (اس سے دوسروں کو ترغیب ہوگی) اور اگر تم انہیں مخفی رکھو اور وہ محتاجوں کو پہنچا دو تو یہ تمہارے لیے (اور) بہتر ہے، اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمہارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا، اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔“

اسی مضمون کو دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ۔ (البقرۃ، 2: 274)

”جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔“

صدقہ و خیرات کے ذریعے مال میں بے پناہ اضافہ

جو لوگ صدقہ و خیرات کو ہمیشہ اپنائے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے مالوں میں کس طرح اور کیسے اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن اسے ایک مثال کے ذریعے واضح کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (البقرہ، 2: 261)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔“

اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بھی بیان کیا:

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها والی سبعة مائة۔

قرآن حکیم اس آیات کریمہ کے ذریعے انسانوں کو انفاق فی المال، فی سبیل اللہ کی اہمیت اور افادیت سمجھا رہا ہے کہ تم اپنے مال سے ایک روپیہ خرچ کرتے ہو تو اللہ کی بارگاہ سے اس ایک روپے کا اجر و ثواب اور اس میں اضافہ و برکت سات سو روپوں کے برابر عطا ہوتی ہے۔ جیسے ایک حبہ ایک دانا ہے اس ایک حبہ سے سبع سنابل سات بالیاں نکلتی ہیں۔ ان سات بالیوں میں ہر بالی مائۃ حبۃ ایک سو دانے اپنے اندر رکھتی ہے۔ یوں سبع سنابل سبع مائۃ حبۃ سات بالیاں سات سو دانوں کو اپنے اندر پیدا کرتی ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیا گیا مال بھی اسی طرح ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اور اس میں مسلسل اضافہ اور برکت ہوتی رہتی ہے۔

صدقات و خیرات کے باب میں ان آیات کا مطالعہ اور قرآنی فہم ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہم سے ہر ایک مسلمان صدقہ و خیرات کے عمل کو اپنی زندگی میں لازمی اختیار کرے۔

صدقہ ہر مسلمان پر لازم ہے

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال النبی ﷺ علی کل مسلم صدقة۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب معروف صدقة، 5: 2241، الرقم 5676)

”حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہر مسلمان پر صدقہ کرنا لازم ہے۔“

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث میں ارشاد فرمایا:

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ کل سلامی من الناس علیه صدقة کل یوم تطلع فیه الشمس یعدل بین الناس صدقة۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب فضل الاصلاح بین الناس، 2: 964، الرقم 12560)

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر روز جس میں سورج طلوع ہوتا ہے لوگوں کے لیے اپنے ہر جوڑ کا صدقہ دینا ضروری ہے جو شخص لوگوں کے درمیان عدل کرتا ہے اس کا یہ عمل بھی صدقہ شمار ہوتا ہے۔“

ہمارے جسم کے ایک ایک جوڑ پر صدقہ لازم ہے اور ہماری ہر صلاحیت اگر امانت و دیانت کے عین مطابق ادا ہو تو یہ بھی صدقہ ہے۔ عدالتوں میں ججوں کا عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا بھی صدقہ ہے۔ متعدد احادیث مبارکہ میں صدقہ کی فضیلت کے باب میں یہ آتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ مانقعت صدقه من بال۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصله، باب استحیاب العف والتواضع، 4: 2001، الرقم 2588)

”صدقہ مال میں کچھ کمی نہیں کرتا۔“

عن ابی امامة ان ابی ذر قال قلت یانبی اللہ ارایت الصدقة ماذا ھی قال اضعاف مضاعفة وعند اللہ المزید۔ (رواہ احمد والطبرانی) (مسند احمد بن حنبل، 5: 265، الرقم 242)

”حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ صدقے کی حقیقت کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ مال و دولت کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اور بھی زیادہ اجر و ثواب ہے۔“

صدقے میں جلدی کرنے کا حکم

اس لیے حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں:

قال خطبنا رسول اللهﷺ فقال ایھا الناس بادروا بالاعمال الصالحة قبل ان تشغلوا۔۔۔ وکثرة الصدقة فی السر والعلانیة ترزقوا وتنصروا تجبروا۔ (سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة باب فی فرض الجمعة، 1: 343، الرقم1081)

”حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اس سے قبل تم کسی طبعی و جسمانی عارضہ کے باعث غفلت کا شکار ہو جاؤ اعمال صالح کرنے میں جلدی کرو اس کے بدلے تمہیں مزید رزق دیا جائے گا تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہیں سر بلند اور طاقت ور کیا جائے گا۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عن انس بن مالك قال قال رسول الله ان الصدقة لتطفی غضب الرب وتدفع عن میتة السوء۔ (جامع ترمذی، کتاب الزکاة، باب فضل الصدقة، 3: 52، الرقم664)

”بے شک صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔“

حضرت کثیر بن عبد اللہؓ المزنی روایت کرتے ہیں:

قال قال رسول اللهﷺ ان صدقة المسلم تزید فی العمر وتمنع میتة السوء ویذھب الله بها الکبر والفخر۔ (طبرانی، معجم الکبیر، 17: 22، الرقم31)

”حضرت کثیرؓ اپنے دادا حضرت عمرو بن عوفؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ مسلمان کی عمر میں اضافہ کرتا ہے۔ بری موت کو روکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس صدقے کے ذریعے انسان کے تکبر اور غرور کو ختم کرتا ہے۔“

حضرت رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں:

قال قال رسول اللهﷺ الصدقة تسد سبعین باباً من السوء۔ (طبرانی، المعجم الکبیر، 4: 273، الرقم 4402)

”صدقہ برائی کے ستر دروازے بند کرتا ہے۔“

اور دوسری حدیث میں فرمایا:

انها حاجب من النار۔

”یہ دوزخ و جہنم سے انسان کو بچاتا ہے۔“

خصوصی رپورٹ

سیدہ زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا کانفرنس

لبنیٰ مشتاق (سربراہ کانفرنس)

منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیرِ انتظام مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن انٹرنیشنل پر فقید المثال سیدہ زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس عظیم الشان کانفرنس میں نامور اسپیکرز اور ملک کی معروف نعت خواں شریک ہوئیں۔

کانفرنس کا با قاعدہ آغاز کرتے ہوئے حافظہ رابعہ شفق نے آیاتِ بینات کی تلاوت سے شرکاء کے قلوب و اذہان کو جلا بخشی۔ تلاوتِ قرآن کریم کے بعد محترمہ ارسہ ساجد نے رب ذوالجلال کی حمد و ثناء پیش کی۔ قاریہ سدرہ انور نے بارگاہِ خیر الانام ﷺ میں گلہائے عقیدت و محبت پیش کیئے۔ اس کے بعد محترمہ عائشہ علی نے بارگاہِ سید الشہداء علیہ السلام میں منقبت کا نذرانہ پیش کیا۔ بعد ازاں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی ذاتِ مبارکہ پر حضور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے خطاب کے ذریعے شرکاء و سامعین کے ذوق کی تسکین کی گئی۔

محترمہ عارفہ طارق صاحبہ، اسسٹنٹ پروفیسر منہاج کالج فر ویمن، نے سیدہ زینبؑ کی عظیم شخصیت اور ان کے کردار کو اجاگر کیا اور کہا کہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا کردار آج کی ماں کیلئے ایک بہترین مثال ہے۔

ماؤں کی تربیت کے پہلو پر زور ڈالتے ہوئے انہوں نے بیان کیا کہ بچوں کی اچھی تربیت عورتوں کے فرائض میں شامل ہے۔شدید غم اور نڈھال ہونے اور قید میں ہونے کے باوجود سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی دربار یزید میں شجاعت کے مظاہرے کے پیچھے ہاتھ ان کی عظیم ماں کی تربیت کا تھا۔نسل نو کی کردار سازی میں اساتذہ اور ماؤں کے کردار کی بہت اہمیت ہے۔اور ان شخصیات کو نصاب میں سرسری طور پر پڑھانے کے بجائے انکا کردار اس انداز میں پیش کیا جائے کہ پڑھنے والے نوجوان طالب علم انکی ذات سے متاثر ہو کر انکی پیروی کرتے ہوئے خود کو زندگی اور کردار کے مطابق ڈھالنے پر مجبور ہو جائیں۔نوجوانوں کے کردار میں تبدیلی تب تک نہیں آئے جب تک ماؤں اور اساتذہ کے کردار میں ان عظیم شخصیات کی جھلک نظر نہ آئے۔

انہوں نے زور دیا کہ عوام اور حکومت تب تک نہیں بدلے گی جب تک آپ ماں کو نہیں بدلیں گے۔

محترمہ سیدہ امِ فروہ زیدی نے عظیم الشان سیدہ زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سیدہ زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا کا یہ شرف اس قدر خوبصورت ہے کے آپ اپنے والد کی زینت ہیں۔آپ کی پرورش جس مطہر و پاکیزہ ماحول میں ہوئی وہ آپ کی سیرت سے عیاں ہے۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا معرکۂ کربلا کا وہ عظیم کردار ہیں جنہوں نے نوع انسانی کی تمام تر خواتین کے لئے ہر رشتے اور ہر حیثیت میں ایک عظیم مثال قائم کی۔کربلا میں تین دن کی بھوک پیاس اور بعد از کربلا اسیری اور غریب الوطنی میں بھی سجود شکر ادا کرتی رہیں۔آپ نے برسرِ دربار یزید سیدنا حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کے لہجے میں خطبات دے کے دشمن اسلام کو اس جرآت سے للکارا کہ جس کی نظیر نہیں۔آپ کی سیرت مطہرہ سے آج کی بیٹیوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے پردہ و حجاب کا اہتمام کریں اور حق پہ بہر صورت ڈٹی رہیں۔

آپ سلام اللہ علیہا کے روضہ انور پر تحریر یہ الفاظ "السلام علیک یا جبل الصبر" آپ کے بے نظیر و بے مثال صبر و استقلال کا خوبصورت اظہار ہیں۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کانفرنس میں نائب صدر منہاج القرآن ویمن لیگ محترمہ سدرہ کرامت علی نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ معرکۂ کربلا اپنی فکر، فلسفہ اور اثر

انگیزی میں تاریخِ انسانی کا منفرد واقعہ ہے، جس کی کوئی بھی مذہب ، تہذیب اور تاریخ مثال دینے سے قاصر ہے۔

اس معرکۂ حق و باطل میں خواتین کی موجودگی محض اتفاقاً نہیں تھی بلکہ اس میں بے شمار مقاصد پنہاں تھے۔خواتینِ کربلا نے قیامت تک کی خواتین کی فکری ، انقلابی، نظریاتی، سماجی ، عملی اور دینی رہنمائی کے لئے عملی نمونہ پیش کیا۔خواتینِ کربلا کا کردار گردنیں کٹوانے والوں سے کسی طور کم نہ تھا۔معرکۂ کربلا میں یہ خواتین اپنے مال، اولاد اور خاندان سمیت تمام تر نعمتوں کو قربان کر کے بھی استقامت کی کوہِ گراں ثابت ہوئیں۔

جس طرح اسلام کا ظہور آقا کریم ﷺ سے اور بقا امامِ حسین علیہ السلام سے ہے۔اسی طرح کربلا کی تکمیل سیدہ زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے ہے۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی جرآت کلام و بیاں، اسیری کے باوجود استقامت و حق گوئی اور حق پرستی فکرِ زینبیت ہے۔سفرِ کربلا ایک درسگاہ ہے اور سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا کردار حق و باطل کا ابدی معیار اور ہمارے لئے مینارۂ نور اور مشعلِ راہ ہے۔ آپ کی حق گوئی، فصاحت و بلاغت اور ایک خاتون ہونے کے باوجود غریب الوطنی اور اسیری میں اعصاب کی فولادی ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیتی ہے۔آپ کے جرآت کلام اور جرآت کردار کی تاثیر یہ ہے کہ آپ نے امام علی علیہ السلام کے لہجے میں بولتے ہوئے یزید کی بربریت کو بے نقاب کیا اور پیغامِ حسین علیہ السلام کے ابلاغ کا فریضہ سر انجام دیا۔

منہاج القرآن ویمن لیگ کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ نقوشِ سیرتِ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے منہاج القرآن ویمن لیگ کا نصب العین اور منشور بنایا ہے اور آپ کے انقلاب آفریں پیغام کی ترویج کے لئے منہاج القرآن ویمن لیگ کے تحت دنیا بھر میں سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کانفرنسز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

محترمہ عائشہ شبیر نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج بھی منہاج القرآن کی بیٹیاں زینبی لشکر کی باندیاں بن کر حق کا علم بلند کیے ہوئے ہیں۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیھا نے امام عالی مقام کی شہادت کے بعد جو کردار نبھایا وہ صرف اُس مخصوص وقت کے لیے یا کربلا کے لیے نہیں تھا، بلکہ یہ پیغام آج اور آنے والے ادوار کے لیے بھی اسی طرح اہم ہے کیونکہ یہ صدا صرف صدائے زینب نہیں، بلکہ صدائے حق ہے۔ویمن لیگ کی بیٹیاں اس صدا کو آج بھی بلند کیے ہوئے ہیں اور اسکی عملی ترویج شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کر رہے ہیں۔اللہ حق کی آواز اٹھانے کیلئے ان لوگوں کو منتخب کرتا ہے اور حق کیلئے قربانیاں وہی لوگ دیتے ہیں جو قرآن کی عملی تفسیر بن جاتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم خود کو ان کے کردار کے مطابق ڈھالیں اور اپنا سفر حق کی طرف جاری رکھیں تاکہ حق اور باطل واضح ہو جائیں۔انہوں نے بیان کیا کہ کامل عورت وہ ہے جو زینبی کردار لیے حق پر رہتے ہوئے جرات سے باطل کا انکار کرتی ہے اور یہ حق کی جرات اللہ تب دیتا ہے جب بندہ خود کو اللہ کی رضا کے حوالے کر دیتا ہے۔

محترمہ صباحت رمضان سیالوی، ممبر اتحاد بین المسلمین، نے منہاج القرآن ویمن لیگ کو کانفرنس کے کامیاب اہتمام پر داد دیتے ہوئے سیدہ زینب کانفرنس میں سیدہ

زینب کی استقامت اور جرات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اہل بیت اطہار سے محبت کے اعلانیہ اظہار پر قرآن و حدیث کی روشنی میں زور دیا اور فرمایا کہ اللہ نے اہل بیت کی محبت فرض قرار دی ہے۔ سیدہ زینب تاریخ اسلام پر احسان کرنے والی ہستیوں میں سے ایک عظیم ہستی ہیں۔ان کے پیغام کو عام کرنے کیلئے ہمیں اپنے تمام تر ذرائع اور قوت استعمال کرنی چاہیے۔ سیدہ زینب نے غم کی اس گھڑی میں بھی امام حسین علیہ السلام کے مقصد کی تکمیل کی، اس مقصد کی حفاظت فرمائی، اور جرات سے دشمن کو للکارا۔

سیدہ زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا کانفرنس کے اختتام پر محترمہ عائشہ مبشر (ناظمہ شعبہ جات منہاج القرآن ویمن لیگ) نے اختتامی کلمات پیش کرتے ہوئے اس عظیم الشان کانفرنس سے مخاطب ہونے پر تمام تر اسکالرز کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے اعلیٰ مرتبت کردار کے ہمہ جہت پہلوؤں کو اپنی گفتگو کے احاطہ میں سمونے کی کوشش کی۔ گو کہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا اسوۂ مبارکہ اس قدر وسیع ہے کہ قیامت تک کی تمام تر خواتین کی اصلاح کا منہج اس میں موجود ہے۔

محترمہ عائشہ مبشر نے معزز اسپیکرز محترمہ ام فروہ زیدی، محترمہ صباحت سیالوی، محترمہ عارفہ طارق، محترمہ سدرہ کرامت اور محترمہ عائشہ شبیر اور مناقب و ثنا گوئی پیش کرنے پر محترمہ نورینہ امتیاز ، محترمہ قاریہ سدرہ انور، محترمہ ارسہ ساجد اور محترمہ عائشہ علی کا شکریہ ادا کیا۔

آپ نے مزید کہا کہ کہ اس دورِ پُر فتن میں ہم شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے مشکور ہیں کہ جنہوں نے ہمیں منہاج القرآن ویمن لیگ کا عظیم پلیٹ فارم دیا، جس کے ذریعے پیغامِ کربلا کی ترویج و اشاعت کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔ہم سب دعاگو ہیں کہ اللہ رب العزت ہمیں اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کے اسوۂ کی عملی تفسیر بن کے اُن کی سیرت کے ابلاغ کی توفیق عطا فرمائے اور اس مادیت پرستی کے دور میں اس حسینی در سے جوڑے رکھے۔

اختتامی کلمات کے بعد محترمہ نورینہ امتیاز نے بارگاہِ اہلِ بیت اطہار میں سلام پیش کیا اور محترمہ حافظہ سحر عنبرین نے اس عظیم الشان کانفرنس کا اختتام دعائے خیر سے کیا۔

منہاج القرآن ویمن لیگ
زینب کبریٰ

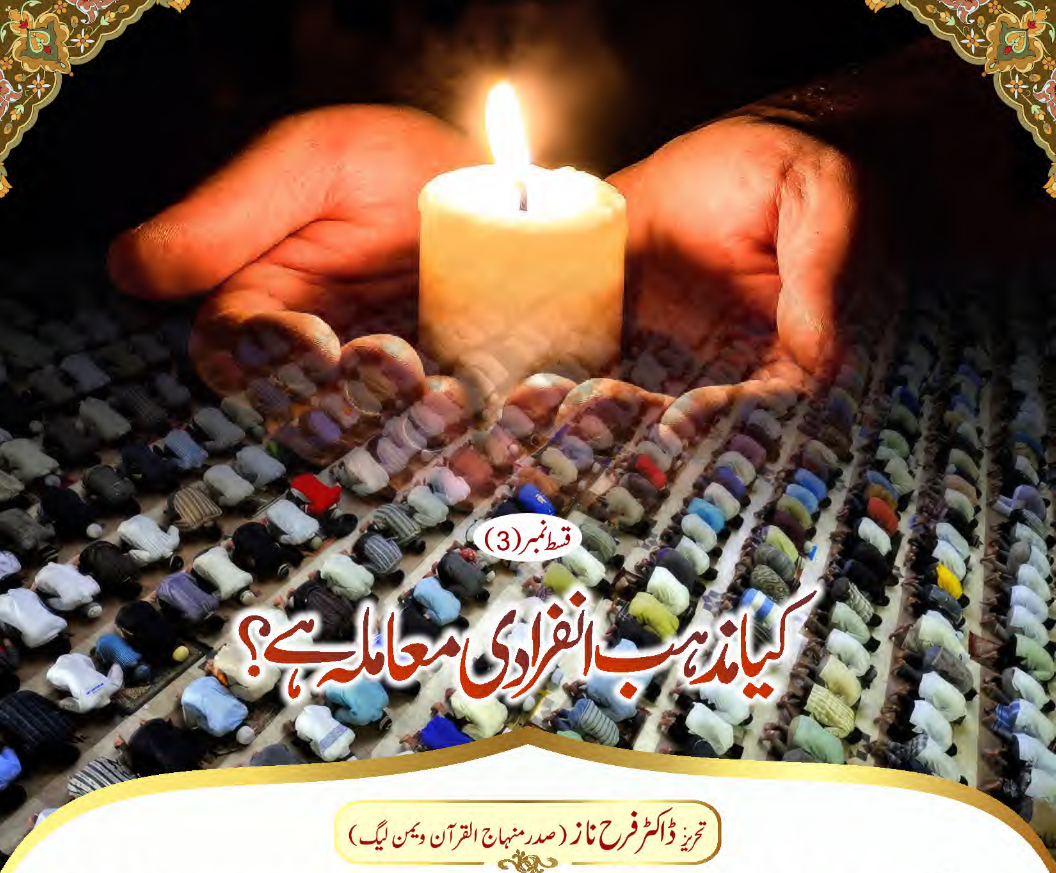

قسط نمبر (3)

کیا مذہب انفرادی معاملہ ہے؟

تحریر: ڈاکٹر فرح ناز (صدر منہاج القرآن ویمن لیگ)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے شہر اعتکاف 2024ء میں خطابات کیلئے جن اہم موضوعات کا انتخاب کیا بلاشبہ وہ ہماری نوجوان نسل میں دین گریز اور دین بیزار رجحانات کا قلع قمع کرنے کے لئے بہت ضروری ہیں۔ بیشتر دین دار گھرانوں کے والدین جو مغربی لادین افکار کے زیر اثر اپنی اولاد کے حوالے سے مایوس دکھائی دے رہے تھے انہیں ان خطابات نے ایک مضبوط بنیاد مہیا کردی ہے اور انہیں ایک ایسا موثر ہتھیار میسر آگیا ہے جس پر عمل پیرا ہوکر ضرورتِ دین کی اہمیت کو زیادہ موثر طریق سے نئی نسل کے سامنے آشکار کرسکیں گے۔

عام لوگوں میں دین اور مذہبی عقائد کے بارے یہ تصور پایا جاتا ہے کہ ان کا تعلق آخرت سے ہے۔ اگر عقیدہ درست ہو توجنت میں اور غلط ہوا تو دوزخ میں جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے لوگ مختلف عقائد رکھتے ہیں لیکن عملی زندگی میں ان کی کوئی تاثیر دکھائی نہیں دیتی۔ وہ مطمئن ہوتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کا فائدہ پہنچے گا۔ حضور شیخ الاسلام نے ”خدا کو کیوں مانیں؟ اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟“

کے موضوع پر چھ روزہ سلسلۂ خطابات میں فتنۂ الحاد کے تصورات کو جدید سائنسی دلائل سے جڑ سے اکھاڑنے کے بعد شبِ قدر کے خطاب میں اساتذہ اور والدین کے لئے فتنہ الحاد سے نمٹنے کے لئے دو بڑے راہنما اصول پیش کئے:

1۔ دین اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اس میں کسی پرائیوٹ اور انفرادی معاملہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔

2۔ معاشرے میں رہ کر مذہب سے لا تعلق رہنا اسلامی تصور نہیں۔

ملحدین (خدا کا اِنکار کرنے والے) جن مختلف محاذوں پر دین کے خلاف نفرت پیدا کرکے سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں، اُن میں سے ایک یہ کہ وہ مذہب کو ایک پرائیویٹ اور انفرادی معاملہ قرار دے کر ذہنوں کو خدا اور مذہب سے انکار پر لے آتے ہیں۔

شیخ الاسلام نے نہایت فکر انگیز گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

”بعض لوگ دوسروں کو قائل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اپنی بے عملی کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ذاتی معاملہ قرار دے کر دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں دین پر عمل کرنا ہرگز پرائیویٹ معاملہ نہیں ہے۔ بلاشبہ اسلامی احکام کی بجا آوری میں بے عملی کو پرائیویسی کے پردے میں روا رکھنا کسی طور بھی جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اعمال کی بجا آوری میں کوئی امر پوشیدہ نہیں رکھا گیا۔ انفرادی کی بجائے اجتماعی عمل میں زیادہ اجر رکھا ہے جیسے اگر نماز گھر میں پڑھیں تو ایک درجے اور اگر جماعت کے ساتھ پڑھیں تو 27 درجے تک ثواب ملتا ہے۔ البتہ اس عمل کے اندر نیت کا تعلق بلاشبہ وہ پرائیویٹ معاملہ ہے کہ کہیں انسان ریا کاری اور دکھاوا تو نہیں کر رہا ہے۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آپ زندگی حرام سے بھر دیں اور کوئی منع کرے تو کہہ دیں کہ یہ میرے اور اللہ کے درمیان ذاتی معاملہ ہے۔ ایسی کسی پرائیوسی کا تصور اللہ اور رسول ﷺ نے نہیں دیا یہ کفر اور الحاد کی طرف لے جانے والے عناصر ہیں۔ اسلام پورا نظام حیات ہے۔ کفر کو اپنی زندگیوں میں جگہ دینے کے لیے، بے حیائی، حرام کاری اور حرام خوری کو جگہ دینے کے لیے اور دین کے احکام سے جان چھڑوانے کے لئے، دین کے فرائض و واجبات کا بوجھ اتار پھینکنے کے لیے، اپنے آپ کو مادر پدر آزاد کرنے کے لیے شیطان نے انہیں یہ راہ سمجھائی ہے اور یہ

سارے وہ کلمات ہیں جو کفر کے کلچر نے سکھائے ہیں۔اس سے اجتناب کرتے ہوئے توبہ کریں اور فکر و عمل میں اس تقسیم کو اور اس سوچ کو ختم کریں۔“

(خطاب شب قدر 7 اپریل 2014)

شیخ الاسلام نے نوجوان نسل کے ذہنوں کی الجھن اور تشکیک کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا:

”وہ لوگ جنہوں نے دین کے راستے سے ہمیں ہٹایا ہے، ہٹا رہے ہیں اور ہٹانا چاہتے ہیں ان کی طرف سے یہ کفر کا Culture، اللہ کے وجود کے انکار پر ہمیں لے آتا ہے۔ یہ طاغوت کا ایک بھیانک منصوبہ ہے۔ جب اللہ کی ذات کا انکار ہو رہا ہوتا ہے تو اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں، پیغمبروں اور رسولوں کا انکار ہے۔ جب ان کا انکار ہے تو اس کے بھیجی ہوئی کتاب کا انکار ہو رہا ہے۔ یوں یہ قرآن و سنت کا انکار ہے تو اس طرح یہ درحقیقت پورے دین و مذہب کا انکار ہے۔ اوامر و نواہی کا انکار ہے، حلال و حرام کا انکار ہے، ایمان اور اسلام کے اعمال صالحہ کا انکار ہے۔ تقوی کا انکار ہے۔ سارے احکام مٹا کر Godless society بنانے کا ایک حیوانی منصوبہ ہے۔“ (خطاب شب قدر 7 اپریل 2014)

کہا جاتا ہے کہ مذہب خدا اور انسان کے درمیان ایک پرائیویٹ معاملہ ہے۔ ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ چاہے تو وہ اپنی پرائیویٹ زندگی میں خدا کو ماننے اور مذہب پر عمل کرے مگر سوسائٹی اور ریاستی افیئرز میں مذہب کو نہیں گھسیٹنا چاہیے۔

مذہب کا یہ تصور کہ یہ بندے اور خدا کے مابین معاملہ ہے، ایک گمراہ کن تصور ہے۔ بعض دکانوں پر لکھا ہوتا تھا: ”یہاں سیاسی باتیں کرنا منع ہے“ اب بعض جگہوں پر یہ لکھا بھی دکھائی دیتا ہے ”یہاں مذہبی باتیں کرنا منع ہے“۔ سیاسی باتیں چونکہ جھگڑے فساد کا موجب بن جاتی ہیں اس لیے ان سے منع کیا جاتا ہے۔ اب یہی حال مذہبی باتوں کا ہونے لگا ہے۔ یہ مذہبی باتیں جو جھگڑے کا موجب بنتی ہیں ان پر اگر آپ غور کریں تو سارا زور یہی نکلے گا کہ یہ عقیدہ جنت میں جانے کا ذریعہ ہے اور اُس عقیدے والے جہنم میں جائیں گے۔ ایسی باتوں کا عموماً عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام نے اس غلط تصور پر بہت کھل کر روشنی ڈالی اور یہ ثابت کیا کہ اس معاملے میں دو ہی امکانات ہیں یا تو خدا انسان سمیت اس پوری کائنات کا خالق، مالک اور حاکم ہے یا پھر نہیں ہے۔

اب اگر وہ خالق، مالک اور حاکم نہیں ہے تو پھر اس کے ساتھ پرائیویٹ معاملے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور اگر وہ خالق، مالک اور حاکم ہے تو پھر اس کے اختیارات کو محدود کر کے محض ذاتی اور انفرادی زندگی میں اس کے سامنے جھکنے کی مشق اور اس کی عظمت کے گن گا کر کوئی اگر خدا کو ماننے کا دعوی کرے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

یہ تو کائنات کے مالک سے سراسر بغاوت ہے۔

اگر ایک انسان اپنی پرائیویٹ زندگی میں تو خدا کا بندہ ہو مگر یہ سب آدمی جب مل کر معاشرہ بنائیں تو خدا کی ضرورت ہی نہ رہے۔

ان حالات میں اگر ہمیں خدا کی راہنمائی کی ضرورت نہ گھر اور نہ خاندان میں، نہ محلے اور شہر میں، نہ ادارے اور بازار میں، نہ عدالت اور پارلیمنٹ میں۔ نہ پولیس اور فوج میں، نہ میدانِ جنگ اور صلح میں ہے تو پھر اس کی ضرورت ہے کہاں؟

کیوں ایسے خدا کو مانا جائے یا اس کی عبادت کی جائے جو زندگی کے ان تمام معاملات میں ہماری رہنمائی نہیں کرتا؟

اس ضمن میں logical بات یہ ہے کہ جس ہستی کو ہم اپنی انفرادی زندگی میں رب تسلیم کرتے ہیں وہی ہماری اجتماعی زندگی کا بھی رب ہے اور اسی کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اس دنیا کا نظام بھی چلے گا۔

لہذا خواہ ہماری پرائیویٹ لائف ہو یا پبلک لائف خدا کا وجود اور مذہب کے اصول ہر جگہ لاگو ہونگے۔

ہمارے دین میں ہماری زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق واضح راہنمائی موجود ہے۔ یہ توجیہہ اور جواز سرے سے غلط ہے کہ مذہب کوئی پرائیویٹ معاملہ ہے۔

انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جو کچھ بھی کرتا ہے کسی نظریے کی بنیاد پر کرتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عقیدہ یا نظریہ انسانی زندگی پر اثر انداز نہ ہو، تاہم جس طرح کا نظریہ ہو گا، اسی طرح کا عمل بھی ہو گا۔ اگر کسی کا تصورِ خدا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا، وہ ہمارا مالک ہے تاہم وہ رحیم و کریم بھی ہے، غفار و ستار بھی ہے، ہم سے جو بھی گناہ ہو جائے ہم چونکہ اس کے ماننے والے ہیں وہ ہمیں ضرور بخش دے گا، اس کا نتیجہ اس کے عمل پر یوں مرتب ہو گا کہ وہ خواہشات نفسانی کے سہارے سب کچھ کرتا چلا جائے گا۔

یہ تصور سراسر غلط ہے کہ ہم دل کے مسلمان ہیں اور ہمارا دل نیک، پاک اور صاف ہے۔ جس شخص کا ظاہر طیب، مطہر اور پاک نہیں اور اس میں فسق و فجور ہے، اس کا باطن کبھی مسلمان اور پاکیزہ نہیں ہو سکتا۔ یہ Godless فکر اور سوچ ہے کہ زندگی میں ہر لمحہ حرام کماتے اور کھاتے رہیں اور پھر اسے اپنا پرائیویٹ معاملہ قرار دے دیں۔ اَعمالِ صالحہ نہ کرنا اور انہیں اپنا اور رب کا معاملہ قرار دینا بالکل غلط تصور ہے۔ یہ اِیمان کو کفر اور اِلحاد کی طرف لے جانے والی فکر ہے۔ شیخ الاسلام نے شب قدر کے

خطاب میں دردمندی کے ساتھ باطن اور ظاہر کے اس تضاد پر پُر مغز گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

”ظاہر کے اپنے فوائد ہوتے ہیں اور باطن کے اپنے فوائد اگر کوئی شخص کہے کہ نیت اچھی ہونی چاہئے نیت میں ہی سارا دین رکھا ہے تو ایسا نہیں ہے۔نیت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب کوئی عمل صالح بھی کیا جائے۔نیت از خود عمل صالح کی ہوتی ہے۔اگرظاہر میں نیک عمل کرے اور اس کی نیت اچھی ہو تو وہ اسے مقبول بنا دے گا۔خالی نیت اچھی رکھنے سے اللہ کی بارگاہ میں کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔“ (خطاب شب قدر 7 اپریل 2014)

ایک نظریہ کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایمان باللہ کا نتیجہ ہے اور ایک دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ ایمان باللہ ہوتا تو وہ گناہ سے پرہیز کرتا اور خواہشات نفسانی کا اسیر نہ ہوتا۔دوسری بات اس لیے درست ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ کے بارے میں شناخت چونکہ درست نہیں ہے، یہ شخص اس کے عدل وحکمت پر ایمان نہیں لایا، اس نے جس تصور خدا کو مانا ہے وہ خدا ہی نہیں ہے،لہٰذا ”ایمان باللہ“ کا اعلان اسکی زبان کی حد تک ہے لیکن حقیقی طور پر دیکھا جائے تو وہ اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا۔جبکہ پہلی بات بھی ایک لحاظ سے صحیح ہے اور وہ یہ کہ جیسا خدا کواس نے مانا ہے ویسا ہی اس کا عمل ہے۔ہمیں ہر وقت نیک اعمال کے ذریعے ایمان کے ظاہر اور باطن دونوں کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ایمان کے معاملے میں انسان کا کوئی معاملہ ذاتی نہیں رہتا۔ہر معاملہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے اَحکامات کے تابع ہوگا تو ایمان محفوظ رہے گا۔اللہ رب العزت نے قرآن مجید کے جملہ اَحکامات میں توبہ، ایمان اور عملِ صالح کو جوڑا ہے۔اگر دین عمل میں نہیں ڈھلا تو پھر محض نیت اچھی ہونے کا کوئی فائدہ نہیں، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

کارکنوں پر لازم ہے کہ وہ شیخ الاسلام کے ان مواعظ حسنہ کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنائیں اور ان کے ذریعہ معاشرے میں موجود غلط تصورات کا قلع قمع کریں۔قول و عمل کے تضاد سے معاشرے میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آسکتی۔جب بھی آپ کہیں جاتے ہیں، کسی نہ کسی کی نمائندگی کر رہے ہوتے ہیں۔آپ نے جہاں کہیں بھی جانا ہے وہاں آپ نے اپنی اصل کی حفاظت بھی کرنی ہے۔یہ ذمہ داری اللہ کے دین کے نمائندوں پر زیادہ بھاری ہے کہ ان کے ہر عمل کو ان کی جماعت، مسلک اور مذہب کے ساتھ جوڑا جائے گا۔وہ جیسے ہی کوئی غلط عمل کریں گے تو کہا جائے گا: صرف یہ نہیں بلکہ اس کی جماعت، مسلک، مذہب اور خدا ہی غلط ہے۔

نسلِ نو کی فکری راہ نمائی

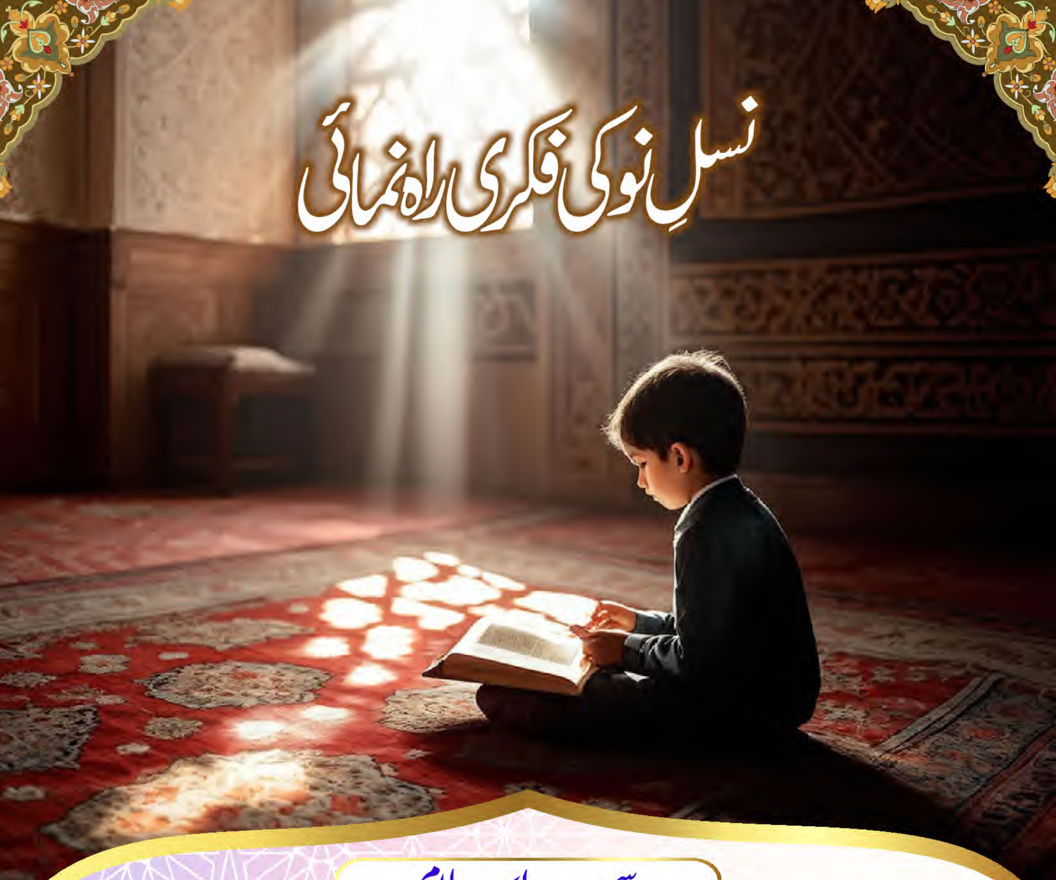

سمیہ اسلام

پاکستان کی ایک بڑی سیاسی طاقت نوجوان طبقہ ہے کیونکہ کسی بھی معاشرے کی ترقی کا بنیادی نکتہ نوجوان نسل کی ترقی سے جڑا ہوتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ ریاستی و حکومتی سطح پر زیادہ سے زیادہ مواقع اور سازگار ماحول کو یقینی بنا کر ان کی ترقی کو ممکن بنانا ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے کہ جب ریاستی و حکومتی سطح پر نوجوان طبقہ ان کی سیاسی ترجیحات کا حصہ ہوتا ہے۔ سیاسی ترجیحات سے مراد یہ ہوتی ہے کہ حکومتی سطح پر نوجوانوں کے تناظر میں وسائل کی منصفانہ تقسیم ہونی چاہیے اور نوجوانوں میں پڑھے لکھے، ناخواندہ، شہری اور دیہی لڑکے اور لڑکیاں، معذور، خواجہ سرا اور کمزور طبقات شامل ہونے چاہیے۔

اس وقت نوجوانوں کو سات سطحوں پر مختلف مسائل کا سامنا ہے۔ اول تعلیمی نظام میں نوجوانوں کو درست سمت میں راہنمائی اور مارکیٹ سے جڑی ضرورتوں کو بنیاد بنا کر مستقبل کی منصوبہ بندی یا حکمت عملی کا تعین جس میں استاد اور والدین کا اہم کردار ہوگا۔ دوئم معاشی سطح پر نوجوان طبقہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کرنا بالخصوص خود سے روزگار پیدا کرنے کا رجحان پیدا کرنا، نوجوانوں کو

حکومتی سطح سے ان کے لیے آسان شرائط اور بلاسود قرضوں کی فراہمی، سوئم سیاسی، سماجی شعور کی آگاہی اور معاشرے کی ترقی میں ان کی اپنی ذمہ داری اور حق، چہارم غیر نصابی اور کھیلوں کی سرگرمیوں کے آسان مواقع، پنجم ایک ایسا سازگار ماحول جو عملاً نوجوان طبقہ کو بلاخوف، جھجھک آگے بڑھنے کے مواقع جو میرٹ پر مبنی ہو، ششم ایسے نوجوان جو ناخواندہ ہیں، معذور ہیں یا دیگر محروم طبقات میں شامل ہیں ان کو ترجیحی بنیادوں پر ترقی کے دھارے میں شامل کرنا اہم ہوگا۔ ہفتم ہمیں نوجوانوں میں امید کا پہلو بھی پیدا کرنا چاہیے اور ان کو غیر یقینی یا عدم تحفظ کے احساس سے باہر نکالنا اور ان کو باور کروانا کہ وہ حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں نوجوانوں کی کیا راہنمائی کرنی چاہیے اور اس کا ایسا کونسا طریقہ کار ہونا چاہیے جو واقعی حقیقی معنوں میں ان نوجوانوں کی ترقی کو یقینی بنا سکے۔ ہمیں اس حوالے سے سب سے پہلے نئی نسل کو یہ باور کروانا ہوگا کہ حالات سے مایوس ہونے کی بجائے وہ حالات سے مقابلہ کرنا سیکھیں۔ یقینی طور پر نوجوان نسل کو کئی سطحوں پر مختلف حوالوں سے چیلنجز کا سامنا ہے مگر ان کے لیے فوری طور پر کوئی بھی آئیڈیل ماحول فراہم نہیں کر سکے گا۔ ان ہی برے حالات اور مشکل صورتحال کا مقابلہ کرنا اور اس میں اپنے لیے محفوظ راستہ تلاش کرنا ہی ان کا اصل کام ہونا چاہیے۔ نوجوان بڑے خواب ضرور دیکھیں اور ان کو دیکھنا بھی چاہیے، لیکن حالات کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ وہ حقیقی دنیا سے بھی آگاہ ہوں اور ترقی کے عمل میں چھوٹے عمل یا نچلی سطح سے اپنے کام کا آغاز کریں۔ یہ سوچ کہ صرف بڑا کام ہی کرنا ہے درست حکمت عملی نہیں بلکہ بڑے کام تک جانے کے لیے چھوٹے کاموں سے کام کا آغاز کرنا چاہیے۔ یہ جو نوجوان نسل ریاست اور حکومت پر بہت زیادہ انحصار کرتی ہے اس کے مقابلے میں ایک متبادل سوچ کے ساتھ آگے بڑھیں اور خود سے اپنا کام کرنے کی کوشش کریں اور یہ سوچ اور فکر ان کو زیادہ آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کر سکتی ہے۔

ایک مسئلہ بہت زیادہ ذہنی دباو، مایوسی اور لاتعلقی کا پیدا ہوتا ہے۔ یہ عمل دو خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اول ہر کام کو مایوسی کے تناظر میں دیکھنا اور معاملات سے لاتعلق ہونا، دوئم منفی سرگرمیوں کا حصہ بنا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نوجوان اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ غیر نصابی سرگرمی سمیت کھیل کا حصہ بنائیں۔ کیونکہ ایک صحت مند دماغ ہی صحت مند معاشرہ اور خود کو مثبت طور پر پیش کر سکتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس ملک میں لڑکوں اور بالخصوص لڑکیوں کے غیر نصابی یا کھیلوں کی سرگرمی کا عمل اتنا زیادہ کمرشل ہو گیا ہے کہ اب نوجوان طبقہ ان سہولیات تک رسائی نہیں رکھ پاتا اور ایسے میں حکومت کی لاتعلقی بھی مایوس کن ہے۔

ہمارے اہل دانش، ریاست اور حکومت کو بنیادی بات یہ سمجھنی ہوگی کہ نوجوان طبقہ کسی سیاسی وسماجی یا مذہبی واعظوں یا لوگوں کے موٹیو شنل عمل کو بنیاد بنانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے لیے ریاست اور حکومت سمیت تمام فریقین کی سطح پر ایک بڑی سیاسی، سماجی، انتظامی اور مالی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ قومی سطح پر موجود قانون سازی، پالیسی اور حکمت عملی کو نئے سرے سے ترتیب دینا ہوگا اور اس میں نوجوانوں کی توانائیوں کو کو بنیاد بنا کر کچھ نئی سوچ اور فکر کو تقویت دینی ہوگی۔ مسئلہ قانون سازی نہیں بلکہ جو قانون موجود ہیں ان پر عملدر آمد کا نظام شفاف بنانا ہوگا۔ یہ جو اس وقت ہمیں امیری، غریبی یا حق اور حقوق کے نام پر محرومی یا عدم تحفظ کا احساس غالب نظر آتا ہے اس نے ریاست اور نوجوانوں کے درمیان ایک بڑی خلیج یا فاصلے پیدا کر دیے ہیں۔

ریاست اور حکومت کو سمجھنا ہوگا کہ ان کا حکمرانی کا نظام نوجوانوں میں زیادہ مایوسی اور لاتعلقی پیدا کرتا ہے اور ہم حکمرانی کے نظام میں اس نوجوان طبقہ کو شامل اور ان کی ترجیحات کا تعین کیے بغیر آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ حکمت عملی درست نہیں اور اس سے نوجوان طبقہ کی کوئی بڑی راہنمائی ممکن نہیں ہوسکے گی۔ کیونکہ ان کو ایسا نظام درکار ہے جو ان کے بنیادی حقوق کی ضمانت بھی دے سکے اور آگے بڑھنے کے تمام مواقع بھی فراہم کر سکے۔ یہ عمل یقینی طور پر منصفانہ اور شفاف حکمرانی کے بغیر ممکن نہیں ہوگا۔

اسی طرح نوجوانوں کو یہ سمجھنا ہوگا کہ آج کی دنیا علم اور صلاحیت کی دنیا ہے اور اس دنیا میں وہی لوگ اپنے لیے جگہ بنا سکیں گے جو علم اور اپنی صلاحیت کو بنیاد بنا کر اس میں رنگ بھرنے کی کوشش کریں گے۔ محض ڈگری کے حصول کی بنیاد پر ان کو کوئی بڑی کامیابی نہیں مل سکے گی اس کے لیے ان میں ڈگری سمیت ایسی صلاحیتوں کی ضرورت ہے جو اس وقت عملی طور پر معاشرے کو درکار ہے۔ اس میں ہمیں اپنے پورے تعلیمی نظام کی اصلاح کرنی ہے اور اس نظام کو ملکی اور مارکیٹ کی ضرورت کے تحت ڈھالنا ہے۔

ایک بنیادی مسئلہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیتی عمل کا فقدان ہے۔ معاشرے میں جس تیزی سے ہماری اخلاقی تربیت کا عمل کمزور ہوا ہے اس نے اخلاقی بحران بھی پیدا کیا ہے۔ ایک اچھا انسان کیا ہوتا ہے یہ اب ہمارے ایجنڈے کا حصہ کم اور زیادہ ہم بس ایک کامیاب انسان بننا چاہتے ہیں۔ کامیاب انسان اور اخلاقی معیارات کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں دیکھنے کی بجائے ہمیں ایک ہی زاویہ سے سمجھنا ہوگا اچھے انسان کے لیے اچھے اخلاقی اصول بھی اہم ہوتے ہیں اور یہ اس کی ترجیحات کا حصہ ہونا چاہیے۔

نوجوانوں کو اپنے ارد گرد کے ماحول کے بارے میں زیادہ باخبر ہونا چاہیے اور اس میں اسے اپنے اچھے اور برے کی تمیز کا فرق معلوم ہونا چاہیے۔ یہ جو حالات سے گمراہی کا عمل ہوتا ہے وہ ہمیں

اندھیروں کی طرف دھکیلتا ہے اور روشنی میں آنے کے لیے ہمیں لوگوں کے ماضی کے تجربات سے سیکھ کر درست راستے کا چناؤ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں دونوں میں بے پناہ صلاحیت موجود ہے اور یہ عملی طور پر محنتی نوجوان ہیں جو بہت کچھ کرنے کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔ لیکن خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہمیں عملی اقدامات کی بھی ضرورت ہے۔ یہ عمل ہم نوجوانوں کو ایک بہتر گائیڈ لائن، تربیت اور قیادت کے طور پر دے سکتے ہیں۔ ہمیں بطور ریاست، حکومت اور معاشرہ نوجوان طبقہ کا ہاتھ پکڑنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ وہ اس ترقی کے سفر میں تنہا نہیں بلکہ مجموعی طور پر معاشرہ ان کے ساتھ کھڑا ہے، یہ عمل نوجوان طبقہ کی ترقی کی ضمانت بن سکے گا۔

12 اگست کو اقوام متحدہ کے زیر اہتمام دنیا بھر میں نوجوانوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ نوجوان کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ پاکستان کی نصف آبادی کا حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ یہ مستقبل میں افرادی قوت کا بڑا حصہ ہونگے۔ اس وقت پاکستان کی نصف آبادی اور دنیا کی تیس فیصد آبادی نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان سمیت دنیا اس وقت موسمیاتی تبدیلیوں کا شکار ہے اور اس سے پوری دنیا کو مل کر مقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر ہم نئی نسل کو ایک اچھا ماحول دینا چاہتے ہیں تو ہمیں انکو قدرتی ماحول کے قریب کرنا ہوگا۔ پاکستان کی یوتھ کو خاص کر کھیلوں اور شجر کاری کی طرف راغب کرنا ہوگا۔ پاکستان میں تو

پہاڑوں کا وسیع سلسلہ موجود ہے گھنے جنگلات ہیں دریا ہیں۔ ہمیں یوتھ کو قدرتی ماحول کی حفاظت کی طرف راغب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ہمارے ملک میں سوشل میڈیا ٹیمز بنانے کا رواج تو بہت بن گیا ہے لیکن نوجوانوں کے لئے کھیلوں ''اعلی تعلیم'' ہائیکنگ اور قدرتی جگہوں کو دیکھنے کی سہولیات کچھ زیادہ موجود نہیں۔ ان کے لئے بہت محدود مواقع ہیں اس لئے وہ اپنا غصہ سوشل میڈیا پر نکالتے ہیں۔ ہمارے ملک میں تفریح بھی بہت مہنگی ہے کچھ تو اتنے سہولیات سے محروم ہیں کہ ان کے پاس فون انٹرنیٹ جیسی سہولت بھی موجود نہیں۔ ان کا وقت بحث مباحثوں اور گلیوں میں گزر جاتا ہے۔ جبکہ انکی یہ عمر اچھی تعلیم اچھی سہولیات میں گزر ہونی چاہیے۔ پاکستان کی آبادی بہت زیادہ ہے اور وسائل بہت کم ہیں۔ یوتھ حالات کی وجہ سے تنگ ہے اور وہ باہر کے ممالک جانے کے خواہش مند ہیں۔ جب وہ ملکی وسائل پر چند خاندانوں کی اجارہ داری دیکھتے ہیں تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔

کتنے ہی پاکستانی نوجوان انسانی سمگلرز کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور ان کی لاشیں سمندر یا صحراوں سے ملتی ہیں۔ یہ صورتحال دیکھ کر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ سیاسی بحرانوں کی وجہ سے نوجوان بہت متاثر ہوئے ہیں ان میں غم مایوسی اور غصہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے ہمیں ہمارے نوجوانوں کو مثبت سرگرمیوں کی طرف لے کر جانا ہو گا۔ ان کے لئے تعلیم صحت اچھی خوراک کا بندوبست کرنا ہو گا۔ درکار وسائل ان کو دینا ہوں گے ان کے بنیادی حقوق ان کو ملنے چاہیں۔ ان کو سوشل میڈیا ایکٹوازم کے بجائے کھیل کے میدانوں میں لے کر جانا ہو گا۔ وہ آن لائن گیمز کھیلیں اپنی بینائی کمزور کریں اس سے بہتر ہے کہ وہ میدانوں میں فٹ بال یا کرکٹ کھیلیں۔ ہمیں نوجوانوں کو ماحولیاتی تبدیلیوں سے آگاہ کرنا ہو گا۔ پاکستان ہر وقت سیلاب زلزلوں قدرتی آفات میں گھرا رہتا ہے ہمیں ان کو ان تمام خطرات سے آگاہ کرنا ہو گا۔ ہمیں ان کو درختوں کی افادیت اور شجرکاری کے حوالے سے بتانا ہو گا۔ 12 اگست کے ٹھیک دو دن بعد چودہ اگست آتی ہے ہمیں اپنی یوتھ کو یہ باور کرانا ہو گا کہ سڑکوں پر موٹر سائکل کی ون ویلنگ کے بجائے وہ اس دن پودے لگائیں۔ پاکستان کو سرسبز بنائیں یہ انسانی نسل کی بقا کے لئے بہت ضروری ہے۔ نوجوان اس ملک کا اثاثہ ہیں برین ڈرین سے اس کو مل کر بچائیں اور نوجوانوں کو روزگار کے مواقع فراہم کریں تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر پاکستان کی ترقی میں حصہ لیں۔

”خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی“

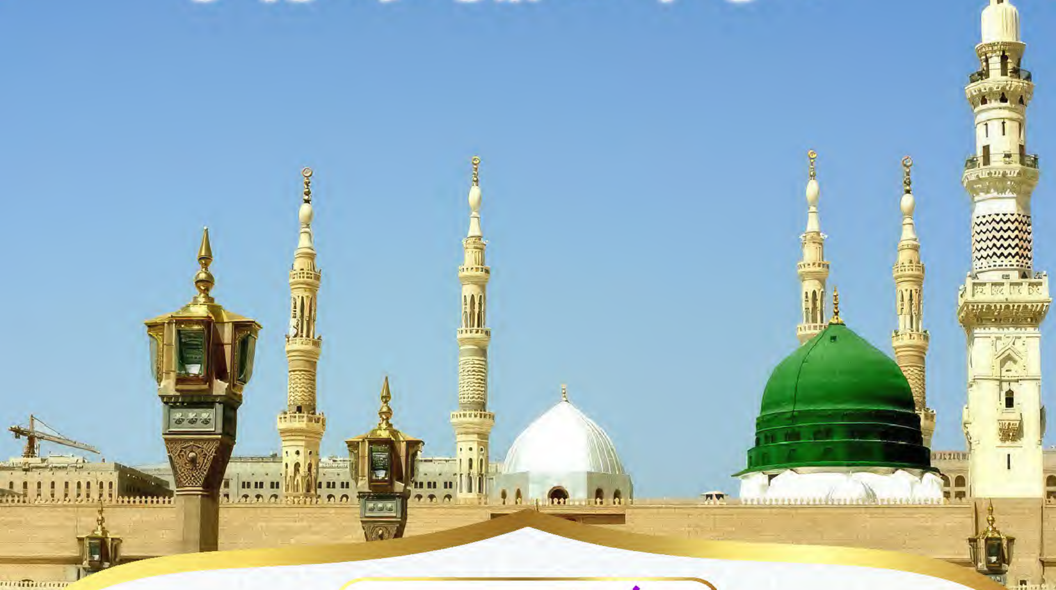

پروفیسر حلیمہ سعدیہ

اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیتے ہوئے اس کی عظمت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو بہترین انداز اور نمونے پر بنایا ہے۔ دین اسلام کا جو تصور انسان سے متعلق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت، ترکیب، اپنے کردار اپنے مقصد وجود اور اپنے انجام کے لحاظ سے اس ساری کائنات میں منفرد ہے۔ دنیاوی زندگی اس کے لیے امتحان گاہ ہے۔ جس کے ذریعے اس کے اعمال کا حساب ہوگا اور یہی اعمال اس کا انجام متعین کریں گے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں (سورہ الحجر: ۲۸،۲۹) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کی اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت بخشی۔“

پھر سورۃ (التین: ۴) میں فرمایا:

”ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔“

اسلام نے انسان کو جو عظمت عطا کی ہے یا اس کی بحیثیت اشرف المخلوقات جو خوبیاں بیان کی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے حضرت اقبال کہتے ہیں:

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا راز داں ہوجا خدا کا ترجماں ہوجا
خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِّ زندگانی ہے
نکل کر حلقہ شام و سحر سے جاوداں ہوجا

علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کے تمام بنیادی مضامین در حقیقت قرآن مجید سے ماخوذ ہیں اور قرآن مجید میں فضیلتِ انسان، تسخیرِ فطرت، عزم و استقلال، جرات و شجاعت کا حمیت و غیرت اور قدرت واختیار پر بکثرت آیات موجود ہیں۔

حضرت اقبال اپنی مشہورِ عالم تصنیف ''اسرار خودی'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

خودی سے میری مراد غرور یا تکبر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ قول ہے کہ من عرفہ نفسہ فقد عرفہ ربہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

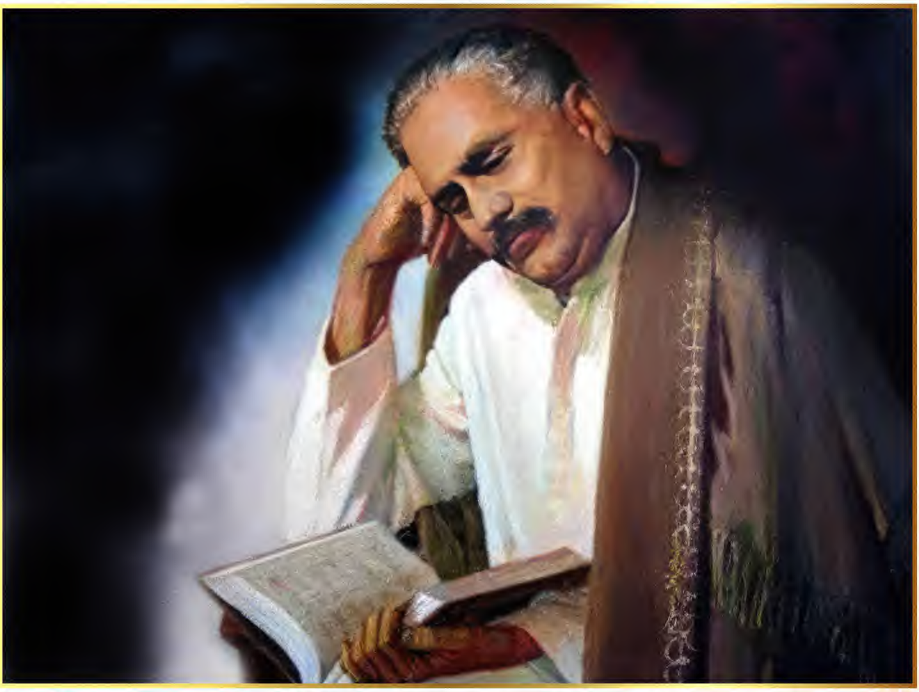

خودی اس قدر طاقتور شے ہے کہ اگر اس خودی کو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک شیطانی قوت بن جاتی ہے۔ لہذا اس میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے اس کو کسی آئین کا پابند بنانا ضروری ہے۔ اسی لیے اقبال اپنے خطوط میں لکھتے ہیں کہ

دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے، نفس انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود متعین کرتا ہے۔ ان حدود کے معین کرنے کا نام اصطلاحِ اسلام میں شریعت یا قانون الٰہی ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو یا ہٹلر کی، قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔

گویا حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ علامہ اقبال نہایت بلند فہمی سے واضح کرتے ہیں کہ خودی کو پالینے کے بعد اس معرفتِ ذات کو قوم و ملت کے لیے وقف کر دینا ہی انسان کی معراج ہے۔ علامہ اقبال نے اسی بناء پر اسرار خودی کے بعد رموزی خودی لکھ کر اس کی تکمیل کی اور فرد کا رشتہ ملت کے ساتھ قائم کیا۔ گویا فرد پہلے اپنی ذات میں موجود صفات عالیہ کو پہچانے ان کو نکھارے اور پھر ان تمام مہارتوں کو قومی مفاد میں پیش کر دے۔ اقبال نے نزدیک انسان کی خودی کی حقیقی تکمیل اور فرد و ملت کا حقیقی ربط صرف اسلام ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں فرد اور ملت کا رشتہ واتحاد نسل یا وطن کا محدود تصور نہیں بلکہ توحید اور رسالت کا وسیع اور ہمہ گیر عقیدہ ہے۔

بنی نوع انسان اپنے ارادے اور عمل کے ذریعے اپنے آپ کو جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتا ہے۔ اسی تخلیقی آزادی کی بنا پر انسان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ وہ نہ مجبور ہے نہ مختار بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک متحرک زندہ طاقت ہے۔ اسی متحرک اور زندہ طاقت ہونے کی وجہ سے انسان اپنے اعمال وافعال میں آزاد اور اس کا ذمہ دار ہے اور اسی عمل آزادی کی بنا پر انسانی خودی کی نشوونما ہوتی ہے۔ شاعر مشرق بیان کرتے ہیں:

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد
ناچیز جہانِ مہ و پرین پرے آگے
وہ عالم مجبور ہے تو عالم آزاد

حضرت اقبال یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ خدا کے مقابلے میں انسان ایک بے بس و مجبور اور عاجز درماندہ ہستی ہے لیکن خدا کی پیدا کردہ کائنات کے مقابلے میں انسان کو فوقیت حاصل ہے۔ گویا انسان اپنی عقل اور ایجاد واختراع کی اہلیت کو بروئے کار لاکر جب مظاہر قدرت کو اپنی تعمیر و ترقی کے لیے استعمال کرتا ہے تو اشرف المخلوقات ہونے اور نیابتِ الٰہی کا حق ادا کرتا ہے۔ اس ضمن میں حکیم الامت نہایت دلکش انداز میں انسان کی صلاحیت کو یوں سراہتے ہیں:

تو شب آفریدی، چراغ آفریدم
سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

شاعر مشرق کا تمام کلام بنی نوع انسان کی اصلاح اور عمل پیہم کے پیغامات سے بھرا ہوا ہے۔ بے شک انسان کو جو اختیار ملا ہے وہ لا محدود نہیں ہے بلکہ ایک حد کے اندر ہے لیکن اقبال اسی محدود اختیار سے عشق

سرحد کا ہے مومن کوئی پنجاب کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآں کا مومن

اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

دوسری جانب فکر اقبال میں مسائل قومی کا حل تلاش کرتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقبال کے مطابق ''فرد'' ملت سے وابستہ ہے۔ اس سے الگ ہیچ ہے۔ گویا فرد کی خودی جب ملت کی خودی میں گم ہو جاتی ہے تو بڑی برکتوں کا باعث ہوتی ہے۔ بقول اقبال

فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرہ وسعت طلب قلزم شود

گویا ہمارے دیس کے مسائل کا حل اگر ہے تو وہ یہ ہے کہ ملک وملت کی ترقی اور قیام امن کی کاوشوں میں قوم کا ہر ''فرد'' اپنی بساط بھر خدمات ضرور سرانجام دے۔ فرد واحد کبھی بھی ملکی و قومی سطح پر بہتری کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہی فردِ واحد جب اپنی سوچ یہ بنالے کہ ملک کا ہر محبِ وطن یکجا ہو کر ملک و قوم کی سلامتی اور ترقی کی ہر ممکن کوشش کرے گا تو یہ منظم کوششیں ملک وملت کی ترقی و بحالی میں ضرور کارگر ہوں گی۔ ان شاءاللہ

علم اور علماء کی فضیلت

قرآن حدیث کی روشنی میں

سعدیہ کریم اسلامک سکالر

تعارف

علم عربی زبان کا لفظ ہے یہ باب علم یعلم سے مصدر ہے اور اس کا مادہ اشتقاق ع،ل،م ہے۔ اس سے تفعیل کے وزن پر تعلیم اور تفعل کے وزن پر لفظ تعلم ہے۔ اسی مادے سے علیم اور علام بطور مبالغہ اسم فاعل عالم کے قرآن مجید میں ذکر ہوئے ہیں۔ معلوم اسم مفعول بھی اسی سے نکلا ہے۔

عربی لغت کے مطابق

لفظ علم کا معنی ہے ادراك الشئی بحقیقته یعنی کسی شے یا چیز کی حقیقت کو جان لینا۔ اردو زبان میں لفظ علم کا معنی ہے جاننا، واقفیت، آگاہی حاصل کرنا۔

اصطلاحی تعریف

ہر اہل علم و فن نے اپنے علمی و فنی ذوق، مہارت اور پس منظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے علم کی تعریف وضع کی ہے بعض نے کہا کہ علم ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعے اشیاء کے حقائق کی معرفت اور حقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ علم، عالم اور معلوم کے درمیان صفت اضافیہ کا

نام ہے۔ بعض حکماء نے کہا کہ کسی شے کی صورت کا عقل میں حاصل ہونا علم ہے۔ متکلمین نے کہا کہ عالم کے ذہن میں کسی چیز کا انکشاف علم ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں علم کی تعریف

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

علم، مومن کے قلب میں ایک نور ہے جو فانوس نبوت کے چراغ سے مستضاد ہوتا ہے یہ علم نبی کریم ﷺ کے افعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے یہ علم کسی انسان کے واسطے سے حاصل ہو تو کسبی ہے اور اگر بلاواسطہ حاصل ہو تو لدنی ہے۔ علم لدنی کی تین اقسام ہیں:

۱۔ وحی ۲۔ الہام ۳۔ فراست

۱۔ وحی کا لغوی معنی ہے سرعت سے اشارہ کرنا اور اصطلاح میں وحی وہ کلام الٰہی ہے جو نبی کی طرف حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے نازل کیا جائے۔

۲۔ الہام کا لغوی معنی ہے۔ ابلاغ اور اصطلاح میں وہ علم حق ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر القاء کرتا ہے اور انہیں امور غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے۔

۳۔ فراست وہ علم ہے جس میں ظاہری صورت کو دیکھ کر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں۔ الہام میں ظاہری صورت کا واسطہ نہیں ہوتا۔ بلاواسطہ کشف ہوتا ہے اور فراست میں ظاہری صورتوں کا واسطہ ہوتا ہے۔ الہام اور وحی میں فرق یہ ہے کہ الہام وحی کے تابع ہوتا ہے جبکہ وحی الہام کے تابع نہیں ہوتی۔ وحی سے حاصل ہونے والا علم قطعی ہوتا ہے۔

ان تمام تعریفات کے مطابق علم کسی چیز کو اس کی حقیقت کے حوالے سے جان لینے کا نام ہے یعنی علم ایکسا تصور اور ذہنی قضیہ ہے جو عالم خارج میں موجود کسی نہ کسی حقیقت کو جان لینے سے عبارت ہے۔ علم یقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین تجرد سے واصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

علم کی ان تمام تعریفات پر غور و فکر کرنے سے علم کی تین صورتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ ادراک ۲۔ تصور ۳۔ یقین

یعنی کسی شے کی حقیقت کا ادراک علم ہے اور ادراک حواس خمسہ کی مدد سے کسی شے کے بارے میں جاننے سے عبارت ہے اور اس ادراک کے بعد اس شے کے بارے میں یقین اور پختہ اعتقاد ہے۔

علم کی اقسام

جس طرح علم کی مختلف تعریفات ہوئی ہیں اسی نسبت سے علم کی مختلف اقسام بھی متعین کی گئی ہیں۔

تقسیم اول: علم کی تقسیم اول کسی شے کے ادراک کے حوالے سے کی گئی ہے اس کے مطابق علم کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ کسی شے کی ذات کا ادراک کر لینا

۲۔ ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو اس کے لیے ثابت ہو یا ایک چیز سے دوسری چیز کی نفی کرنا۔

تقسیم ثانی: یہ تقسیم بھی دو اقسام پر مشتمل ہے:

۱۔ علم نظری (جو علم حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے)

۲۔ علم عملی (وہ علم جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے)

تقسیم ثالث: تقسیم ثالث میں بھی مزید دو اقسام ہیں:

۱۔ علم عقلی (وہ علم جو صرف عقل کی بنیاد پر حاصل ہو)

۲۔ علم سمعی (وہ علم جو بذریعہ نقل و سماعت حاصل کیا جائے)

تقسیم رابع: امام جرجانی نے بھی علم کی دو اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ علم قدیم (وہ علم جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے)

۲۔ علم حادث (اس کی مزید تین اقسام ہیں):

۱۔ علم بدیہی ۲۔ علم ضروری ۳۔ علم استدلالی

لفظ علم کا قرآنی مفہوم

صاحب قاموس القرآن کے مطابق قرآن مجید میں لفظ علم تین صورتوں میں آیا ہے۔

۱۔ علم بمعنی رویت

علم بمعنی رویت کا مطلب ہے دیکھنا یعنی جو علم دیکھنے یا مشاہدہ کرنے سے حاصل ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم۔

حالانکہ اللہ نے ایسے لوگوں کو متمیز نہیں فرمایا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے۔

۲۔ علم بمعنی جاننا

یعنی وہ علم جو جاننے سے حاصل ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ۔ (النحل،١٦: ١٩) ''اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔''

۳۔ علم بمعنی اذن

یعنی اجازت یا حکم۔ اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

فاعلموا انما انزل بعلم الله۔

تو جان لو کہ قرآن فقط اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے۔

علم دین کے مشمولات

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی لکھتے ہیں کہ جب علم کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے اور اس کی متعدد اقسام ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم، اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم، اس میں علم نبوت اور علم احکام اللہ شامل ہیں۔

۳۔ کتاب و سنت کی نصوص اور ان کے معانی کا علم، اس میں مراتب نصوص، ناسخ و منسوخ، اجتہاد، قیاس، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کا علم اور ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم شامل ہے۔

۴۔ جن علوم سے کتاب و سنت کی معرفت اور احکام شریعہ کا علم ممکن ہو اس میں لغت عرب، نحو، صرف اور محاورات عرب کی معرفت شامل ہے۔

مترادفاتِ علم

مترادفاتِ علم سے مراد وہ الفاظ ہیں جو لفظ علم کا معنی و مفہوم رکھتے ہیں اور قرآن مجید میں نازل ہوئے ہیں انہیں امام فخر الدین الرازی نے ذکر کیا ہے ان میں ادراک، شعور، تصور، حفظ، تذکر، ذکر، معرفت، فہم، فقہ، عقل، درایت، حکمت، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، ذہن، فکر، حدس، ذکاء، الخاطر، وہم، ظن، خیال، البدیہۃ، اولیات، الرویۃ، الکیاسۃ، الخبرۃ، الرای، فراست الہامی، فراست استدلالی شامل ہیں۔

علم آدم کے شرف کی بنیاد ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے علم ہی وہ خوبی ہے جو انسان کو باقی مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے اور اسی علمی خوبی کی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائک ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ (البقرہ، ۲: ۳۱)

اور اللہ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں علم اور اہل علم کی فضیلت کی دلیل ہے۔ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف علم الاسماء سے نوازا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آپ کی علمی برتری کا عملی مشاہدہ بھی کروایا اور آدمؑ کو حکم دیا کہ اے آدمؑ تم انہیں ان اشیاء کے ناموں سے بھی آگاہ کرو۔ آدم علیہ السلام نے جب تمام نام بتائے تو فرشتے حیران ہو گئے یہ مشاہدہ فرشتوں کے لیے ایک ایسی تجربی توثیق کا درجہ رکھتا تھا جس کے بعد حضرت آدمؑ کی علمی فضیلت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔

علم انسان کی امتیازی خصوصیت

اسلام میں علم کی بہت زیادہ اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب کے ذریعے جس کلام کو انسانی رابطے کا نقطہ آغاز قرار دیا اور جہاں سے ہدایت ربانی عالم انسانی کی طرف اترنا شروع ہوئی اس کا پہلا پیغام علم ہی تھا۔ سورہ علق کی پہلی پانچ آیات میں پڑھنے کا ہی حکم دیا گیا تھا جو اس بات کا مظہر ہے کہ اسلام اول تا آخر علم کا پیغام ہے۔

اسلام علم پر اس قدر زور دیتا ہے کہ کسی سطح پر جہالت کو گوارا نہیں کرتا۔ قرآن نے علم کو انسان کی امتیازی خصوصیت قرار دیا ہے۔ عالم اور جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ علم روشنی اور جہالت تاریکی ہے۔ علم ہدایت ہے اور جہالت گمراہی ہے۔ علم انسان میں احساس بندگی کو اجاگر کرتا ہے اور اس کے اندر سے احساس برتری اور غور و فکر کو ختم کر دیتا ہے۔

عالم کی تعریف

علم خشیت الٰہی کا باعث ہے علم کی فضیلت قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کی گئی ہے۔ علم حاصل کرنے والے اور علم کے منبع کو عالم کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا۔ (الفاطر،۳۵: ۲۸)
در حقیقت اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں علماء سے مراد وہ نہیں ہیں جو صرف تاریخ، فلسفہ اور دنیاوی مروجہ علوم کے عالم ہوں بلکہ اس سے مراد علماء دین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے عالم ہوں، قرآن، حدیث اور فقہ کی کتب پر عبور رکھتے ہیں۔ ان کو اتنی مہارت ہوتی ہے کہ وہ عقیدہ اور عمل سے متعلق ہر مطلوبہ مسئلہ کو متعلقہ کتب سے اخذ کر سکتے ہیں۔ ان کے دل میں خوف خدا کا غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں۔

عالم/علماء کی مختلف تعریفات

مالک بن مغول روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے شعبی سے پوچھا کہ مجھے بتایئے عالم کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ عالم وہ ہے جو اللہ کا خوف رکھتا ہو۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ عالم وہ ہے دنیا سے بے رغبتی کرلے، آخرت میں رغبت رکھے۔ اس کو اپنے دین پر بصیرت ہو اور اپنے رب کی عبادت پر دوام اور ہمیشگی کرتا ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔

عالم/علماء کے لیے بلندی درجات کا وعدہ

اللہ تعالیٰ اہل علم کے درجات کو بلند فرماتا ہے اس کا وعدہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ۙ وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ۔ (المجادلہ،۵۸: ۱۱)

اللہ اُن لوگوں کے درجات بلند فرما دے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا۔

جب کسی انسان کو عالم کا درجہ عطا ہوتا ہے تو اس کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ قرآن و حدیث میں علماء کی بہت سی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں۔

عالم کی فضیلت قرآن و حدیث کی روشنی میں

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں علماء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔

اے نبی آپ فرما دیجئے کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہیں؟ (الزمر،۳۹: ۹)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔

اور یہ مثالیں ہم جن لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں ان کو صرف علم والے سمجھتے ہیں۔
(العنکبوت،۲۹: ۴۳)

ان آیات میں عالم اور علماء کے مقام کو بہترین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی علماء کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے خیر کا ارادہ فرمالے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔‘‘

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص علم کے حصول کے لیے کسی راستہ پر چلا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف راستہ آسان کر دیتا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث کے مطابق

۳۔ حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر گیا اللہ تعالیٰ جنت کے راستوں کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے اور فرشتے اس کی رضا کے لیے اپنے پر جھکاتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اس کے لیے دعا کرتی ہے حتی کہ پانی کی مچھلیاں بھی۔ اور بے شک عالم کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور بے شک علماء کرام انبیاء کرام کے وارث ہیں۔

۴۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایک عالم شیطان پر ایک ہزار عابدوں کی نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت ابوامامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو شخصوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر ہے اور بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں

اور زمینوں والے حتی کہ چیونٹیاں بھی اپنے بلوں میں اور حتی کہ مچھلیاں بھی پانی میں نیکی کی تعلیم دینے والے پر صلوۃ بھیجتے ہیں۔

٦۔ حسان بن سنان بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عالم جاہلوں کے درمیان اس طرح ہے جس طرح زندہ مردوں کے درمیان ہو۔

٧۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا طالب علم، طالب رحمت ہے، طالب علم، اسلام کا رکن ہے۔ اس کو نبیوں کے ساتھ اجر دیا جائے گا۔

٨۔ حضرت عمارؓ اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے علم طلب کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے صبح اور شام جہاد کرنے والا ہو۔

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ علماء کا مقام دنیا اور اخرت میں بہت بلند ہے۔ ان تمام احادیث سے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا درس ملتا ہے اور علم اور علماء کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

حاصل کلام

دنیا کی ہر چیز فانی ہے ہر کمال کو زوال ہے۔ ہر آباد کو برباد ہونا ہے۔ دن کے ساتھ رات، روشنی کے ساتھ تاریکی، امیری کے ساتھ غریبی، تندرستی اور بیماری غرض یہ کہ دنیا کی ہر چیز ختم ہو جائے گی لیکن علم ایک ایسی دوا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

علم ایک ایسا نور ہے جو جہالت کی تاریکی کو دور کرتا ہے اور انسان کو گناہوں کے اندھیرے میں بھٹکنے سے بچاتا ہے۔ علم ایک ایسی نیکی ہے جو ہمیشہ انسان کا نام قائم رکھتی ہے۔ یہ صدقہ جاریہ ہے۔ علم کا حاصل کرنا اور اسے پھیلانا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ علم خزانے کی کنجی ہے۔

ہر مسلمان کے لیے دنیا کے ساتھ ساتھ دین کا علم حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ دین کا علم ہی اصل علم ہے۔ اس بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام فرائض، واجبات، سنن اور آداب، تمام مکروہات و محرمات کا علم حاصل کریں اور خواص کے لیے ضروری ہے کہ وہ احکام شریعہ کی تمام فروعات، قرآن مجید کی صریح عبارات، دلالت اشارات اور اقتضاء نصوص کا علم حاصل کریں قیاس اور اس کی شرائط کا علم حاصل کریں اور ایسی مہارت حاصل کریں کہ ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل کتاب اور سنت سے بتا سکیں۔

یومِ تجدیدِ عہد

ڈاکٹر انیلہ مبشر

14 اگست اور 15 اگست 1947ء کی درمیانی شب ستائیسویں رمضان المبارک 1366ھ کی وہ بابرکت ساعت تھی جب رب ذوالجلال نے اپنے بے پایاں رحمتوں کے نزول کے ساتھ دس کروڑ مسلمانوں کی بے تیغ و تفنگ قوم کو آزادی کی نعمت سے نوازا۔ یہ لیلۃ القدر کی مقدس رات تھی اور یوم جمعۃ الوداع کی پر نور صبح طلوع ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی کہ رات بارہ بجے دنیا کے نقشے پر آزادی اور خود مختاری حاصل کرنے والی دنیائے اسلام کی سب سے بڑی مملکت کا اضافہ ہوا جس کی پہچان لفظ ''پاکستان'' سے تھی۔ لاہور، پشاور اور ڈھاکہ کے ریڈیو سٹیشنوں سے رات گیارہ بجے آل انڈیا ریڈیو سروس نے آخری اعلان نشر کیا۔ رات ٹھیک بارہ بجے ظہور آذر کی آواز میں پہلے انگریزی اور پھر اردو میں یہ الفاظ گونجے۔

''یہ پاکستان براڈکاسٹنگ سروس ہے۔''

فوراً بعد مولانا زاہر القاسمی نے قرآن مجید کی سورۃ فتح کی آیات تلاوت کیں۔ ''بے شک ہم نے تمھیں فتح مبین عطا کی۔''

ہوا کے دوش پر یہ آواز جس نگر بستی، گاؤں اور گوٹھ پہنچی آزادی کے متوالے آنسوں کے سیلِ رواں میں سجدہ ریز ہوگئے۔ تشکر کے انھی لمحات میں اولین آزادی کی صبح نو طلوع ہوئی۔

15 اگست کی صبح رمضان المبارک کا آخری جمعہ تھا۔ ریڈیو پاکستان پر اعلان ہوا۔ ابھی تھوڑی دیر میں قائداعظم محمد علی جناح قوم سے خطاب فرمائیں گے چند ہی لمحوں میں ناقابلِ شکست، حریت پسند قائد کی بارعب آواز ریڈیو پاکستان پر گونجی۔ آپ نے فرمایا:

☆ ”آج کا دن مسلم قوم کی تقدیر کی کامیابی کا دن ہے جس نے اپنا وطن حاصل کرنے کے لیے گزشتہ برسوں میں بڑی قربانیاں دی ہیں۔۔۔“

☆ اس انتہائی اہم ساعت میں میرا دل جنگ آزادی کے ان دلیر مجاہدوں کی یاد سے معمور ہے جنھوں نے پاکستان کو حقیقت بنانے کے لیے اپنا سب کچھ بلکہ اپنی جانیں تک نثار کر دیں۔۔

☆ اس نئی مملکت کے قائم ہو جانے سے پاکستان کے شہریوں پر زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ انہیں یہ موقع حاصل ہوا ہے کہ دنیا کو ثابت کر دکھائیں گے کہ کس طرح ایک ایسی قوم جس میں مختلف عناصر شامل ہیں۔ آپس میں مل جل کر صلح و آشتی سے رہتی ہے اور اپنے تمام شہریوں کی یکساں فلاح و بہبود کے لیے کام کرتی ہے۔

☆ ہم چاہتے ہیں کہ ہم خود باعزت طرز پر زندگی بسر کریں اور دوسروں کو بھی باعزت زندگی بسر کرنے دیں۔ آج جمعۃ الوداع ہے۔ رمضان المبارک کے مہینے کا آخری جمعہ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ نماز جمعہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور انکساری کے ساتھ سر بسجود ہو کر اس کی ابدی رحمتوں اور بخششوں کا شکر بجا لائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پاکستان کو ایک عظیم مملکت بنانے کے لیے اور ہم کو اس کا اہل شہری بننے کے لیے اپنی ہدایت اور نصرت سے سرفراز فرمائے۔ پاکستان زندہ باد۔

یہ تھا قائد کا پہلے یوم آزادی کا خطاب جس میں آپ اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہوئے جنگ آزادی کے دلیر مجاہدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور حصولِ آزادی کے بعد ذمہ داریوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

دراصل تخلیق پاکستان ایک طرف تو مثبت ایزدی کی مرہون منت تھا تو دوسری طرف مسلم قائدین، اکابرین اور مشاہیر کی بے لوث قیادت و جدوجہد کا اعجاز۔ آزادی کی یہ فکری، عملی اور سیاسی تحریک ایک صدی کے دلخراش، جاں سوز اور پُر سوز اور پُر خطر حالات و واقعات پر محیط ہے۔ تحریک آزادی کے اولین قافلہ سالار سر سید احمد خان اور آخری سالار قائداعظم محمد علی جناحؒ تھے۔ 1930ء میں اسلامیانِ ہند کے لیے آزاد مسلم ریاست کا تصور شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کی جنوں خیز فکر کا نتیجہ تھا۔ میرِ کارواں محمد علی جناح کی ولولہ انگیز، سیاسی و قانونی بصیرت کی حامل کثیر الجہت شخصیت نے فلسفی شاعر کے خواب آزادی کو تعبیر کرنے کے لیے شبانہ روز محنت کی۔ آپ کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ

جناح آپ کو آرام کا مشورہ دیتیں تو آپ فرماتے کہ میں وہ کمانڈر ہوں جس کی فوجیں میدان جنگ میں پڑی ہیں کیا ایسی صورت میں میں آرام کر سکتا ہوں۔

قائد کا پیغامِ آزادی کچھ ایسا سحر انگیز اور دل نشین تھا کہ قوم کے تمام طبقات کے دلوں میں جا گزیں ہو گیا۔ پژمردہ قوم ایک نئے ولولے اور عزم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہاں تک کہ اپنا تن من دھن، ذاتی اثاثے، آرزوئیں، محبتیں، رفاقتیں، خونی رشتے ناطے سب اس وطن پر نچھاور کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

ایک یورپی مورخ نے تحریر کیا ہے کہ پاکستان تاریخ کے بطن میں موجود تھا۔ اسے جنم لینا ہی تھا اور جنم کا عمل تکلیف دہ تو ہوتا ہے۔ جشن آزادی کے پر کیف لمحوں میں ہر محب وطن پاکستانی کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے آباؤ و اسلاف کی ان گنت، بے مثل بے مول قربانیوں، صبر و ہمت کی لازوال داستانوں کو فراموش نہ کرے جنھوں نے غلامی کی تیرہ شبی کو لہو کے چراغ جلا کر روشن کیا، اپنے خونِ جگر سے زمین کا قرض اتارا، آگ و خون کے چڑھے دریا تیر کر پار کیے۔ کٹھن منزلوں کے راہر و اپنے پرکھوں کی قبریوں کو بے چراغ چھوڑ کر جس منزل کی طرف رواں دواں تھے اس کا ہر راستہ قتل گاہوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ یہ وہ مقتل تھے جہاں ان کی بہنوں، بہو بیٹیوں کی عصمتیں تار تار کی جا رہی تھیں۔ سروں سے دوپٹے کھینچے جا رہے تھے۔ ہر طرف موت کا رقص تھا۔ ان کا سب سے بڑا گناہ آزاد وطن کا حصول قرار پایا تھا۔

پنجاب کی ریاستیں پٹیالہ، کپور تھلہ، الور بھرت پور، مشرقی و وسطی پنجاب کے ریاستی فوجی ہندوؤں اور سکھ جتھوں نے مسلم آبادی کو بڑے منظم طریقے سے تہ تیغ کیا۔ لندن ٹائمز کی ایک رپورٹ منظر کشی کرتی ہے کہ سکھ مشرقی پنجاب کو مسلمانوں سے خالی کرنے میں سر گرم تھے، ہر روز بے دردی سے سیکڑوں افراد کو تہ تیغ کرتے۔ جان کونیل نے اپنی کتاب "آرکنلیک" میں تحریر کیا ہے کہ سکھوں کے ایک ہجوم نے برہنہ مسلمان عورتوں کا امر تسر کے گلی کوچوں میں جلوس نکالا۔ ان کی عصمت لوٹی پھر بعض کو کرپانوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بعض کو زندہ جلا دیا۔ تارا سنگھ اعلان کر رہا تھا کہ یہ جنگ ہے جنگ اور پاکستان ہماری لاشوں پر سے گزر کر بنے گا۔

تاریخِ عالم میں عظیم ترین تبادلہ آبادی ہو رہا تھا۔ صرف چند ہفتوں میں ایک کروڑ بیس لاکھ سے زائد افراد نے اپنے گھروں کو خیر باد کہا۔ 4 ستمبر 1947ء کے شمارہ میں لندن ٹائمز نے مسلمانوں کے ایک بیس میل لمبے قافلے کے بارے میں اطلاع شائع کی۔ اس قافلہ میں بیس ہزار سے زائد افراد تھے۔ ان میں سے اکثر پیدل ہی پاکستان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ آبلہ پا، تکان سے چور، بھوک کے مارے، سفر

کی صعوبتوں سے نڈھال ستر لاکھ مہاجرین گرتے پڑتے پاکستان پہنچے۔ وہ بالکل بے سروسامان تھے۔ ان کے پاس تن کے کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ درد آشنا تھے کہ انھوں نے معصوم بچوں کا قتل لاشوں کی قطع و برید اور عورتوں کی بے حرمتی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ ہزاروں بھوک اور بیماری یا سکھوں کے خون آشام جتھوں کا نشانہ بن کر جاں بحق ہوگئے یا پاکستان کی سرحد پر پہنچتے ہی ابدی نیند سو گئے۔ یہ صرف عوام کی اولوالعزمی اور قائداعظم کی قیادت پر ان کا یقین محکم تھا جس نے صورتِ حال کو سنبھالنے کا معجزہ کر دکھایا۔

''امرتسر جل رہا تھا'' کے مصنف خواجہ افتخار تحریر کرتے ہیں کہ 18 اگست 1947ء کو منائی جانے والی پاکستان کی پہلی عید عجیب تھی۔ آزادی کی اس پہلی عید پر بچوں نے نہ گوٹا کناری والے کپڑے پہنے، نہ نئے جوتے، نہ لڑکیوں نے مہندی لگائی، نہ عید کارڈ اور تحائف کا تبادلہ ہوا، نہ میٹھی سوئیاں تیار ہوئیں اور نہ کسی کو عیدی مانگنے کا خیال آیا۔ والٹن کیمپ میں مہاجرین کی آمد جاری تھی۔ ہر خاندان زخم خوردہ تھا جیسے اپنے پیاروں کی قربانی دے کر آزادی کی قیمت چکا رہا ہو۔

ہم سلام پیش کرتے ہیں والٹن کیمپ موجودہ ''بابِ پاکستان'' پر اترنے والے دل فگار، لہو رنگ قافلوں کو جو تباہی و بربادی کی تصویر بنے سامانِ زیست سے محروم، اپنے پیاروں کو ہندوؤں اور سکھوں کی شقاوت قلبی کی نذر کرکے، گہوارہ امن کے متلاشی، کمالِ حوصلہ سے عزم و ہمت کی معراج چھو کر، قلب و روح میں اترنے والے زخم سہہ کر بھی زندہ تھے بلکہ تعمیر وطن اور تزئین چمن میں مصروفِ عمل

تھے۔ زندہ قومیں اپنے آباؤ اجداد کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں اور ایسی ہی قومیں آزادی کے ثمرات سے مستفید ہونے کا حق رکھتی ہیں۔

پاکستان ہمارے اجداد کے خوابوں کی سرزمین ہے جسے اللہ رب العزت نے بیش بہا نعمتوں سے نوازا ہے۔ قدرتی وسائل اور معدنیات سے مالا مال یہ وہ دیس ہے جہاں انواع واقسام کے پھل و سبزیاں ہیں جہاں فلک بوس پہاڑی سلسلے اور برف پوش چوٹیاں ہیں۔ سرسبز و شاداب وادیاں ہیں تو حد نظر تک پھیلے ہوئے سبزہ زار ہیں جہاں سطح مرتفع پوٹھوار، صحرائے تھل و چولستان اور زرخیز میدانی علاقے کی سونا اگلتی زمین ہے۔ جہاں جھیلوں کا صاف شفاف ٹھنڈا پانی اور پورے چاند کی رات میں سمندر کی لہروں کا قابل دید نظارہ ہے۔ دھرتی کے پانچ دریا مشہور ہیں اور پانچ ہی موسم۔ کبھی تو سردیوں کی یخ بستہ سرد ہوائیں جسم و جاں کو گدگداتی ہیں تو کبھی گرمیوں میں سورج کی روشن روپہلی کرنیں تن بدن میں زندگی کی نمو کا احساس جگاتی ہیں۔ مون سون کی پھوار قطرہ قطرہ روح کی پیاس بجھاتی ہے۔ خزاں کی زردی مائیوں بیٹھی دلہن کو شرماتی ہے تو بہار کے رنگ قوسِ قزاح کو زمین پر اتار کر خطہِ ارض کو گل و گلزار بنادیتے ہیں۔

یہ کشورِ حسین دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت ہے۔ اے وطن کے باسیوں اس وطن کو اپنا مکان نہیں گھر سمجھو کیونکہ یہ وطن ہماری پہچان، ہمارا تعارف اور حوالہ ہے۔ یوم آزادی صرف گھروں کو سبز ہلالی پرچموں، ہری بھری جھنڈیوں سے آراستہ و پیراستہ کرنے، عمارات کو رنگین برقی قمقموں سے سجانے، موٹر سائیکلوں کے سلنسر نکال کر ون ویلنگ کرنے کا نام نہیں۔ یہ تو دھرتی ماں سے تجدید عہد کا دن ہے، جذبہ حب الوطنی کی تائید کا دن ہے۔ خالقِ کائنات کے حضور سجدہ شکر بجالانے اور دستِ دعا دراز کرنے کا دن ہے۔ یہ دن احتسابِ ذات کا دن ہے۔ تجدید عہد کا دن ہے۔

اس روز ہم سب کو خود سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ کیا ہم نے دھرتی ماں کے شایانِ شان برتاؤ کیا ہے؟ اس کا مقام و مرتبہ بلند کرنے میں ہمارے اخلاق و ایمان کا پیمانہ کس قدر درست رہا؟ اس کے سائبان جیسے آنچل پر ہمارے نام کے کتنے مہتاب چمکتے ہیں؟ آؤ کہ ہم اپنی مادرِ گیتی کو روٹھنے سے پہلے منالیں۔ تجدید عہد کریں کہ اپنی ذمہ داریاں محنت لگن اور جانفشانی سے ادا کریں گے اپنے بزرگوں کی طرح جہد مسلسل کو اپنا شعار بنائیں گے۔ یقیناً دوسری تمام ماؤں کی طرح ہماری ماں مٹی ہمارے عیوب کی پردہ پوشی کرکے ہمیں اپنی آغوشِ محبت میں لے لے گی۔ ہماری خود احتسابی نئی منزلوں کی تلاش میں مہمیز کا کام دے گی اور یہ ''عید آزادی'' ہمارے لیے حقیقی اور دائمی راحت کا باعث بن جائے گی۔

فقہی مسائل

پیشہ وارانہ ضرورت کے سبب اسلامی لباس ترک کرنے کا حکم؟

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن

سوال: ثقافتی یا پیشہ ورانہ ضرورت کے سبب اسلامی لباس ترک کرنے کا کیا حکم ہے؟

کیا مسلمان کو نوکری حاصل کرنے کے لیے اپنا لباس بدلنا چاہیے یا اپنے نفس کے اطمینان کے مطابق آگے بڑھنا چاہیے؟ یہ بتانا دلچسپ ہے کہ تین چھوٹی بیٹیاں ہونے کے باوجود میرا بھائی اسی مسئلے کی وجہ سے بے روزگار ہے اور کسی بھی یونیورسٹی میں پڑھانے کی مناسب نوکری کی تلاش میں ہے۔ جزاک اللہ

جواب: اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہیں، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ نے راہنمائی فراہم نہ کی ہو۔ 'لباس' انسانی زندگی کا اہم گوشہ اور رہن سہن کا ضروری پہلو ہے، اس لیے قرآن و سنت نے اس کے بارے میں بھی اصولی اور معتدل تعلیمات عطاء فرمائی ہیں اور اس سلسلے میں کچھ بنیادی اصول اور مقاصد مقرر کر دیے ہیں جن کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کیلئے کسی خاص وضع یا ہیئت کا لباس مقرر نہیں کیا کہ ہر شخص بس یہی لباس پہنے اور جو کوئی اس ہیئت اور صورت سے ہٹ کر پہنے گا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا، بلکہ اسلام نے اس سلسلے میں اصولی راہنمائی کی ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (الأعراف، 7 : 26)

اے اولادِ آدم! بیشک ہم نے تمہارے لئے (ایسا) لباس اتارا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپائے اور (تمہیں) زینت بخشے اور (اس ظاہری لباس کے ساتھ ایک باطنی لباس بھی اتارا ہے اور وہی) تقوٰی کا لباس ہی بہتر ہے۔ یہ (ظاہر و باطن کے لباس سب) اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے لباس کے تین مقاصد بیان فرمائے ہیں:

- سترِ عورت یعنی شرمگاہ کو چھپانا: لباس کا سب سے بنیادی مقصد ''ستر عورت'' ہے، مرد اور عورت کے جسم کے کچھ حصوں کو ''عورت'' قرار دیا گیا ہے، یعنی وہ چھپانے کی چیز ہے۔ مردوں کیلئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ستر ہے، اور عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے چہرے اور گٹوں تک ہاتھوں کے۔ لہٰذا لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کئے ہوئے ستر کے حصوں کو چھپالے، جو لباس اس مقصد کو پورا کر رہا ہو شریعت کی نگاہ میں وہ لباس جائز ہے اور جو اس مقصد کو پورا نہ کرے شرعاً وہ لباس ہی نہیں، کیونکہ وہ اس بنیادی مقصد کی تکمیل نہیں کر رہا جس کے لئے اسے بنایا گیا ہے۔
- زینت اور خوبصورتی: لباس کا دوسرا مقصد زیب و زینت اور خوبصورتی ہے۔ اس لیے لباس ایسا ہونا چاہئے جسے زیبِ تن کرنے سے انسان کی زینت اور خوبصورتی میں اضافہ ہو۔ ایسا گھٹیا، پھٹا پرانا، بے ڈھنگا اور بدہیئت لباس نہ ہو کہ جس کو دیکھ کر دوسروں کو کراہت محسوس ہو۔
- تقویٰ و پرہیزگاری: ظاہری لباس کے ذریعے ستر پوشی اور زینت و تجمل کے حصول کا اصل مقصد تقویٰ اور خوف خدا تعالیٰ ہے، جس کا ظہور انسان کے لباس میں اس طرح ہونا چاہئے کہ اس کے لباس میں فخر و غرور کا انداز نہ ہو بلکہ تواضع کے آثار ہوں۔

مفسرین نے اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں کہا ہے کہ لباس ایسا ہونا چاہیے جس میں پوری ستر پوشی ہو، کہ قابل شرم اعضاء کا پورا پردہ ہو اور لباس بدن پر ایسا چست بھی نہ ہو جس میں اعضاء نمایاں طور پر نظر آئیں، نیز اس لباس میں فخر و غرور کا انداز بھی نہ ہو بلکہ تواضع کے آثار ہوں، اسراف بیجا بھی نہ ہو، ضرورت کے موافق کپڑا استعمال کیا جائے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ.

اور اس نے تمہارے لئے (کچھ) ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔

(النّحل،16 : 81)

اس آیتِ مبارکہ میں لباس کی چوتھی مصلحت بیان ہوئی ہے کہ لباس موسم کی شدت سے انسان کو محفوظ رکھنے والا ہونا چاہیے۔

صاحب حیثیت انسان کا اچھے کپڑے پہننا شرعاً پسندیدہ عمل بلکہ جس شخص کی آمدنی اچھی ہو، اس کے لیے خراب قسم کا کپڑا اور گھٹیا قسم کا لباس پہننا ممنوع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے دور کے عرب کلچر کے مطابق بہترین لباس زیب تن فرمائے اور اسی بات کا صحابہ کرام کو درس بھی دیا۔ چنانچہ حضرت ابوالاحوص عوف بن مالک الجشمی فرماتے ہیں کہ ان کے والد حضرت مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ انہوں نے گھٹیا قسم کپڑے پہنے ہوئے تھے، نبی اکرم ﷺ نے اُن سے پوچھا:

أَلَكَ مَالٌ ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ مِنْ أَيِّ الْمَالِ ؟ قَالَ: قَدْ آتَانِي اللهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ قَالَ فَإِذَا آتَاكَ اللهُ مَالًا فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ.

(ابی داؤد، السنن، کتَابُ اللِّبَاسِ، بَابٌ فِي غَسْلِ الثَّوْبِ وَفِي الْخُلْقَانِ، رقم الحدیث: 4063)

کیا تمہارے پاس مال ہے ؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کس قسم کا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے، غلام اور ہر طرح کا مال عنایت فرمایا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالی نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس سے بھی ظاہر ہونا چاہیے۔

شارحینِ حدیث نے اس حدیثِ مبارکہ سے اخذ کیا ہے کہ انسان کا اپنی حیثیت کے مطابق مناسب لباس پہننا مستحب اور اظہارِ شکر کا ایک ذریعہ ہے۔ مگر اس سلسلے میں نمائش اور دکھاوا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ آیات وروایت سے لباس سے متعلق شرعی اصولوں کا خلاصہ درج ذیل چار اصول ہیں:

- لباس ساتر (شرمگاہ کو چھپانے والا) ہو
- حدود شریعت میں رہتے ہوئے اس کے ذریعے زیب وزینت حاصل ہو
- نمائش اور دکھاوا مقصود نہ ہو
- اس کے پہننے سے دل میں تکبر پیدا نہ ہو۔

اسی طرح لباس کے تین عیب ہیں جو لباس کے بنیادی مقاصد کو پورا کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں، درج ذیل ہیں:

- لباس اتنا چھوٹا ہو کہ پہننے کے باوجود ستر نہ ڈھانپ سکے

- اتنا باریک ہو کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہو
- لباس اتنا چست ہو کہ پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور ابھار نظر آ رہا ہو

لہذا ہر انسان کو ایسا لباس پہننا چاہیے جو شرم و حیا، غیرت و شرافت اور جسم کی ستر پوشی کے ساتھ ساتھ موسم کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ نیز جس سے تہذیب نفس، سلیقے و قرینے، عزت و شرافت اور زینت و جمال کے ساتھ وقار انسانیت اور احترام آدمیت کا بھی اظہار ہو۔ اسلام ایسی سادگی کا حکم نہیں دیتا جس سے زمانے کے تقاضے پورے نہ ہو سکیں۔ سائل نے واضح نہیں کیا کہ اسلامی لباس سے ان کی کیا مراد ہے؟ وہ کس لباس کو اسلامی اور کس کو غیر اسلامی کہہ رہے ہیں! یاد رکھیں کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو لباس کی کسی خاص کیفیت اور وضع کا پابند نہیں کیا، بلکہ اس کے مذکوہ بالا اصول، حدود اور مقاصد طے کر کے اسے ہر علاقہ اور ملک کے لوگوں کے مزاج اور ضرورت پہ چھوڑ دیا ہے۔ ان متعین حدود کی رعایت رکھتے ہوئے جو لباس بھی زیب تن کیا جائے وہ اسلامی و شرعی لباس ہی کہلائے گا۔ اس لیے مذکورہ بالا تعلیمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سائل کے بھائی جو بھی لباس پہنیں گے وہ شرعاً جائز ہے، اس لیے انہیں کسی خاص لباس کو اپنی ضد نہیں بنانا چاہیے۔ اگر وہ اپنی ضد کی وجہ سے کسی ملازمت یا منفعت سے محروم ہو رہے ہیں وہ سماج یا اسلام کو موردِ الزام نہ ٹھہرائیں۔

سوال: کیا کپڑے الٹے رکھنے سے ان میں شیاطین آ جاتے ہیں؟

جواب: کپڑے الٹا رکھنے سے ان میں شیاطین آنے والی بات درست نہیں ہے۔ کسی حدیث یا کسی امام کے قول میں اس بات کا شائبہ تک نہیں ہے کہ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ کپڑے الٹے رکھنے سے

ان میں شیاطین آجاتے ہیں۔ البتہ احادیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے لباسِ شہرت پہننے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أَلْهَبَ فِيهِ نَارًا.

(ابن ماجہ، السنن، رقم الحدیث: 3607)

جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں آگ بھڑکا دے گا۔

شہرت کے لباس سے مراد یہ ہے کہ لباس یا تو بہت قیمتی ہو کہ لوگ مرعوب ہو جائیں اور اُس کے مال و دولت اور ثروت و امارت کی شہرت ہو جائے یا لباس اتنا ہلکا اور کمتر ہو کہ لوگوں میں اُس کے زہد اور بزرگی کی شہرت ہو۔ اسی طرح علماء نے لباس مقلوب یعنی الٹے کپڑے پہننے کو بھی شہرت کے لباس میں شمار کیا ہے، اس لئے کہ اس سے آدمی کی تحقیر کی شہرت ہوتی ہے۔ اسی بناء پر علماء نے الٹا لباس پہننے کو ناجائز شمار کیا ہے، مثلاً شلوار یا پتلون کو الٹا پہننا جائز نہیں کیونکہ اس میں انسان کی تحقیر ہوتی ہے اور وہ لوگوں کی نگاہ میں ذلیل ہوتا ہے۔

لہذا تحقیر کا باعث بننے کی صورت میں الٹے کپڑے پہننے کی ممانعت تو بہر حال ہے مگر الٹے کپڑوں میں شیاطین کے آنے کی بات قطعی طور پر من گھڑت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

سوال: کسی موجد کی ایجاد کا فارمولا چرا کر اُس سے فائدہ حاصل کرنا کیسا ہے؟

جواب: اسلامی ضابطہ حیات ہر قسم کی چوری، خیانت اور دھوکہ دہی کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ اسلام میں جس طرح کسی کا مال چوری کرنا منع ہے اسی طرح کسی کی محنت چوری کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ اس لیے کسی کا ایجاد کردہ سافٹ ویئر، فارمولا یا شائع کردہ کتاب سے مواد چوری کر کے بیچنا اور اپنے نام سے شائع کرنا جائز نہیں ہے۔

گلدستہ

پھلوں کے بادشاہ آم کے 11 لاجواب فوائد

نازیہ عبد الستار

آم کو پھلوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے اور یہ پھل بہت سارے ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی بے حد پسند کیا جاتا ہے۔ آم کھانے سے بے شمار طبّی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جن پر یہاں تفصیل سے بات کی گئی ہے۔

آم کی کئی اقسام بھی پائی جاتی ہیں جیسا کہ لنگڑا، رسولی، بیگن پھلی، چانسا، سندڑی اور انور رٹول وغیرہ مختلف اقسام کے لحاظ سے مشہور ہیں اور ان آم کی ہر قسم یکساں طور پر پسند کی جاتی ہے۔

غذائی ماہرین کے مطابق آم میں 20 سے زائد وٹامنز، منرلز اور معدنیاتی اجزا پائے جاتے ہیں۔ طبّی لحاظ سے آم میں بے شمار خصوصیات پائی جاتی ہیں، آم ایک ایسا پھل ہے جو کولن کینسر، ذیابطیس اور اس کے ساتھ دل کی بیماریوں جیسے خطرناک امراض سے حفاظت میں مدد کرتا ہے۔

اس کے علاوہ جسم سے متعلق بے شمار بیماریوں میں ایک شفا کی طرح کام سرانجام دیتا ہے۔

آم کے فوائد

1۔ آم جلد کے لیے اچھا ہے

جلد کی شفافیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آپ اپنی جلد اور اپنے جسم کا کتنا خیال رکھتے ہیں، اس بات کا واضع مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی آپ کھاتے ہیں اس چیز کا براہ راست اثر آپ کی شخصیت پر

ہوتا ہے یعنی جو کچھ بھی آپ دوسروں کو نظر آتے ہیں وہ اس بات کا غماز ہے کہ آپ کس قدر صحت بخش غذا کو کھاتے ہیں۔

آم آپ کے جسم کو اندر سے صاف کر کے آپ کے جسم کو اندر سے مضبوط کرتے ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف آپ کی رنگت میں نکھار آتا ہے بلکہ آپ خود کو چاق و چوبند اور تندرست و توانا محسوس کرتے ہیں۔

مزید یہ کہ آم آپ کی جلد کے مساموں کی صفائی اور آپ کی جلد کو شاداب کرنے میں مدد دیتا ہے۔ آم چہرے پر نکلے دانوں کو ٹھیک کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔

اس کہ وجہ یہ ہے کہ جب اندر سے صاف ہونے لگتے ہیں آپ کا معدہ صاف ہونے لگتا ہے تو اس کا اثر بظاہر آپ کے چہرے پر بھی نظر آتا ہے جس سے کیل مہاسے، دانے اور چھائیاں وغیرہ دور ہونے لگتی ہیں اور چہرہ شاداب اور مزید نکھرنے لگتا ہے۔

2۔ موٹاپے کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے

ہم سب جانتے ہیں کہ آم میں بہت سے غذائی اجزا اور معدنیات کا مرکب پوشیدہ ہے۔ اسی وجہ سے آم کھانے کے بعد آپ کو اپنا پیٹ بھرا ہوا محسوس ہوتا ہے اور طبیعت بھی خوشگوار رہتی ہے، جس کے بعد آپ کو کسی بھی قسم کا اسنیکس لینے کی کوئی خاص ضرورت پیش نہیں ہوتی۔

اس کے ساتھ آم میں فائبر کا اعلیٰ قسم کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے جو ہاضمے کو بہتر بنانے میں مدد کرتا ہے اور جسم میں موجود غیر ضروری چربی کو ختم کرتا ہے۔ پھلوں کو وزن کم کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے جس میں آم کا پھل بھی ترجیحات میں سے ایک ترجیح پر رکھا جاتا ہے، آم کو دہی میں ملا کر کھانے سے بڑھتے ہوئے وزن پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

3۔ آم کا استعمال لو لگنے سے محفوظ رکھتا ہے

آم اور موسم گرما کا گویا چولی دامن کا ساتھ سمجھا جاتا ہے، لیکن ایک سے زائد وجوہات کی بنا پر آم کھاتے ہی آپ کے جسم کا اندرونی نظام اچھا خاصا سرد ہو جاتا ہے جو آپ کو گرمی کی شدت اور لو لگنے سے محفوظ رکھتا ہے جس کی وجہ سے ہیٹ اسٹروک کا امکان انتہائی حد تک کم ہو جاتا ہے۔

اس بات کو یقینی بنائیں کہ جیسے ہی گرمیوں کے موسم کا آغاز ہوتا ہے آپ کو دن میں ایک یا دو آم ضرور کھانے چاہییے۔

4۔ کینسر کے مریضوں کو آم کے پھل کا استعمال کرنا چاہیے

آموں میں کوئیر سیٹن، آیسو کوئر سیٹن، اسٹر لگن، فیسٹن گالک ایسڈ میتھائل گلٹ جیسے کیمیل پائے جاتے ہیں جو چھاتی کے کینسر سمیت ہر طرح کے کینسر کے مریض کو روکنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

طبّی ماہرین کے مطابق آم میں اینٹی آکسیڈینٹس شامل ہوتے ہیں جو آنتوں اور خون کے کینسر کے خطروں کو کم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ گلے کے غدود کے کینسر کے خلاف بھی یہ موئثر کردار سرانجام دیتا ہے۔ آم کو کھانے سے کولون یا بڑی آنت کے سرطان کے خلاف ایک اہم ہتھیار سمجھا جاتا ہے۔

5۔ بینائی کو تیز کرنے میں مدد کرتا ہے

آم میں اینٹی آکسیڈینٹ ذیا کسنتھن پایا جاتا ہے جو بینائی کے دھندلے پن کو ختم کر کے بینائی کی کارکردگی بہتر بناتا ہے، آنکھوں کے نیچے حلقے اور اس کے ساتھ ہی جلد سے متعلق ان پر ظاہر ہونے والے داغ اور دھبوں کا بھی خاتمہ کرتا ہے۔

آم کو دودھ میں ڈال کر پینے سے بینائی بہتری کی طرف آنے لگتی ہے۔ جو لوگ بینائی کمزور ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں انہیں چاہیے کہ آم اور دودھ کا ملک شیک بنا کر اسے پیا کریں اس کے استعمال سے نہ صرف ان کی بینائی ٹھیک ہو جائے گی بلکہ دماغ بھی کافی حد تک تیز ہونے لگتا ہے۔

6۔ ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے

انسانی جسم میں ہڈیوں کی کمزوری وٹامن کے اور کیلشیم کی کمی ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہڈی کے فریکچر کا خدشہ زیادہ بڑھ جاتا ہے جبکہ وٹامن کے پھلوں اور ہری سبزیوں میں وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔

آم کے پھل میں وٹامن کے کی مقدار وافر مقدار میں پائی جاتی ہے جو ہماری ہڈیوں کو مضبوط کرنے میں نہایت مددگار ثابت ہوتا ہے اور ان میں کیلشیم کی بھی پوری مقدار پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

7۔ قوت مدافعت میں بہتری آتی ہے

آم کا استعمال اپنی خوراک میں استعمال کرنے سے حیرت انگیز فائدوں کا سبب بنتا ہے۔

آم کو اپنی خوراک میں شامل کرنے سے آپ کا مدافعتی نظام مضبوط ہونے لگتا ہے کیوں کہ آم میں بیٹا کیروٹین کی بے جا مقدار پائی جاتی ہے جو کہ انسانی مدافعتی نظام کو بہترین بنانے میں بے حد ضروری ہے۔ کمزور افراد کے لیے آم کا پھل ایک قدرتی تحفہ ہے۔

8۔ کولیسٹرول کے توازن کو ٹھیک رکھتا ہے

آم میں بے تحاشا قدرتی اجزا پائے جاتے ہیں خاص طور پر اس میں وٹامن سی، فایبر اور پیکٹین کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ آم ایک ایسا پھل ہے جو کہ جسم میں بڑھتے ہوئے کولیسٹرول کی کمی کو پورا کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

9۔ انیمیا کی بیماری میں مفید ہے

آم میں آئرن کی کافی مقدار شامل ہوتی ہے جو انیمیا کی تکلیف میں مبتلا لوگوں کے لیے ایک زبردست علاج ہے۔ ہر روز ایک آم کا استعمال جسم میں سرخ خون کے سیل کی مقدار بڑھاتا ہے جو انیمیا کے خطرے کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔
آم میں مٹھاس کے بہت زیادہ مقدار پائی جاتی ہے جس کے بارے میں یہ خدشات تھے کہ آم کی مٹھاس بیطس کے مریضوں کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے لیکن ایک جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آم کا استعمال زیابطیس کے مریضوں کے یے نہایت مفید پھل ثابت ہوا ہے۔

10۔ دمے کی بیماری میں استعمال کرنا چاہیے

آم کے گودے میں بیٹا کیروٹین موجود ہوتا ہے جو کہ دمہ جیسی بیماری کی نشونما کو روکنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ غذائیت بروکلی، خوبانی، کدو اور دیگر پھل اور سبزیوں میں بھی موجود ہوتا ہے۔

11۔ قبض سے بچاتا ہے

ہم اپنے ہاضمے کے سسٹم پر بہت کم توجہ دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آم زیادہ تر دوسرے پھلوں کی طرح پانی اور ریشہ سے مالا مال ہے اور یہ دونوں اجزا قبض کو روکنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔
نظام ہاضمہ کو بہتر بنانے کے لیے آم ایک بہترین غذا ہے جبکہ آم بھوک کو بھی بڑھاتا ہے۔ آم میں موجود ریشے جنہیں فائبر بھی کہتے ہیں آنتوں کی صفائی اور ورم کے خطرے کو کم کرنے میں دد دیتے ہیں۔

آم کی چٹنی بنانے کی ترکیب

آم سے متعلق درج ذیل معلومات جاننے کے بعد قارئین بالخصوص خواتین کے لیے آم کی چٹنی جو کہ گرمیوں میں ہر دل عزیز اور مرغوب ہے چھوٹے بڑے سب شوق سے کھاتے ہیں آم کی چٹنی بنانے کی ترکیب پیش کی جا رہی ہے:

آم کے ٹکڑے	3پاؤنڈ
چینی	2پاؤنڈ
نمک	2اونس
گرم مصالحہ	1اونس
سرخ مرچ	ڈیڑھ اونس
ادرک تازہ	1اونس
پیاز	4اونس
لہسن	1اونس
سرکہ	8اونس

طریقہ

آم کے ٹکڑوں کو نرم کرنے کے لئے تھوڑے سے پانی میں جوش دیں۔پھر حسب ذائقہ چینی اور نمک ملائیں۔ گرم مصا لحہ،ادرک ،سرخ مرچ،لہسن اور پیا ز کو ململ کے کپڑے میں باندھ کر پوٹلی بنائیں اور محلول میں ڈال دیں۔ اسے اچھی طرح پکاتے رہیں۔ حتی کہ آنچ 222 فارن ہیٹ تک پہنچ جائے۔مصالحہ کی پاٹلی نچور لیں۔اور سرکہ ڈالیں۔گاڑھا ہونے تک پکانے کے بعد اس کو اتارلیں۔جرثیب سے پاک کھلے منہ والی بوتلوں بھر دیں۔ٹھنڈا ہونے پر کارک لگا دیں اور حسب ضروت استعمال کریں۔

FATIMA JINNAH VOICE OF DEMOCRACY

BEACON OF HOPE FOR WOMEN'S EMPOWERMENT

SADAF MAQBOOL

INTRODUCTION

Fatima Jinnah, the sister of Muhammad Ali Jinnah, stands as one of the most pivotal figures in the history of Pakistan. Revered as the "Mother of the Nation," she played a crucial role in the struggle for Pakistan's independence. Her contributions were not only limited to supporting her brother but also extended to mobilizing women and advocating for their rights in the newly formed state. This article delves into the life, contributions, and legacy of Fatima Jinnah, highlighting her as a role model in the Pakistan Movement.

EARLY LIFE AND EDUCATION

Fatima Jinnah was born on July 31, 1893, in Karachi, into a well-off merchant family. She was the youngest of seven siblings. Her early education set the foundation for her future endeavors. She attended Bandra Convent in Bombay, and later in 1923, she went to study dentistry at the University of

Calcutta. This was a remarkable achievement during a time when women's education was not prioritized in the Indian subcontinent. Her determination to pursue higher education reflected her progressive mindset and strong will, characteristics that would define her role in the Pakistan Movement.

JOINING THE FREEDOM STRUGGLE

Fatima Jinnah's involvement in the freedom struggle began earnestly in the 1930s when she started to support her brother, Muhammad Ali Jinnah, in his political endeavors. Her role was multifaceted: she acted as a confidante, advisor, and supporter, helping her brother navigate the complex political landscape of British India. She was present during critical moments, providing emotional and strategic support to Jinnah, who was leading the demand for a separate Muslim state.

MOBILIZING WOMEN FOR THE CAUSE

One of Fatima Jinnah's most significant contributions was her effort to mobilize women for the Pakistan Movement. She recognized the importance of women's participation in the struggle and worked tirelessly to encourage their involvement. In 1947, she organized the All India Muslim Women's Students Federation, which played a crucial role in galvanizing support for the Muslim League's cause. Her speeches and public appearances inspired countless women to join the movement, breaking societal norms and stepping into the public sphere.

FATIMA JINNAH'S POLITICAL VISION

Fatima Jinnah shared her brother's vision for Pakistan as a democratic, progressive, and inclusive state. She advocated for the rights of minorities and women, emphasizing the need for their active participation in nation-building. Her vision was not limited to political independence but extended to

social justice and equality. She believed in a Pakistan where every citizen, regardless of gender or religion, could contribute to the country's development.

CHALLENGES AND STRUGGLES

Despite her significant contributions, Fatima Jinnah faced numerous challenges. As a woman in a male-dominated society, she often encountered resistance and criticism. However, her resolve remained unshaken. She continued to work alongside her brother, undeterred by the obstacles in her path. Her perseverance and commitment to the cause were instrumental in keeping the momentum of the Pakistan Movement alive.

ROLE IN POST-INDEPENDENCE PAKISTAN

After the creation of Pakistan in 1947, Fatima Jinnah's role did not diminish. She continued to advocate for the principles she and her brother had fought for. Her most notable political involvement came in 1965 when she contested the presidential elections against General Ayub Khan. Despite the challenges and a highly controlled political environment, her participation was a significant step towards democratic governance in Pakistan. Though she did not win, her campaign galvanized public opinion and highlighted the need for democratic processes.

LEGACY AND IMPACT

Fatima Jinnah's legacy is profound and multifaceted. She is remembered not only for her role in the independence movement but also for her unwavering commitment to democracy and social justice. Her efforts in mobilizing women have had a lasting impact on Pakistani society. Today, women in Pakistan continue to draw inspiration from her courage and leadership.

Her contributions are commemorated in various ways across the country. Numerous institutions, including hospitals and educational establishments, bear her name, serving as a reminder of her dedication to public service. Her life and work are taught in schools, ensuring that future generations recognize and appreciate her role in the nation's history.

FATIMA JINNAH AS A ROLE MODEL

Fatima Jinnah's life offers numerous lessons for contemporary society. Her dedication to education, her active involvement in politics, and her advocacy for women's rights are all aspects that continue to resonate today. She exemplifies the importance of resilience and determination in the face of adversity. Her ability to balance her professional career with her political commitments serves as an inspiration for women striving to make a difference in various fields.

Moreover, her emphasis on democratic values and social justice remains relevant in today's political discourse. Her vision for an inclusive and progressive Pakistan is a goal that continues to guide the nation's aspirations. As a role model, Fatima Jinnah's life encourages individuals to actively participate in their communities and work towards a fair and just society.

Fatima Jinnah's contributions to the Pakistan Movement and her enduring legacy make her a role model for generations. Her life is a testament to the power of perseverance, dedication, and the unwavering pursuit of justice. As Pakistan continues to evolve, the values and principles she championed remain crucial in shaping the nation's future. Fatima Jinnah's story is not just a chapter in history but an ongoing source of inspiration for all who seek to make a positive impact in their communities and beyond.

Social Justice & Impact of Powerfull Economies

Hadia Saqib Hashmi
Research Associate, ICRIE

INTRODUCTION

Social justice is a multifaceted concept that encompasses the fair distribution of resources, opportunities, and privileges within a society. In an increasingly interconnected and open world, the pursuit of social justice becomes both more complex and more urgent. Globalization, technological advancements, and increased awareness of social inequalities have highlighted the need for a comprehensive approach to achieving social justice. This essay explores the dimensions of social justice in an open world, examining the challenges and opportunities presented by globalization, the role of technology, and the imperative of policy reforms. Additionally, it explores how powerful economies can undermine social justice, with a specific focus on the case of Palestine.

GLOBALIZATION AND SOCIAL JUSTICE ECONOMIC INEQUALITY

Globalization has often led to increased economic disparities both within and between countries. The benefits of economic growth have not been evenly distributed, with wealth concentrated in the hands of a few while many remain in poverty. For instance, the World Inequality Report (2022) indicates that the richest 1% of the global population owns more than 45% of global wealth, highlighting the deep economic inequalities exacerbated by globalization (Chancel et al., 2022).

LABOR EXPLOITATION

The demand for cheap labor in a globalized economy has often led to exploitative working conditions, particularly in developing countries. Workers in these regions are frequently subjected to low wages, poor working conditions, and a lack of labor rights. Research shows that industries such as textiles and electronics often rely on labor from countries with lax labor regulations, leading to systemic exploitation (Smith & Johns, 2018).

CULTURAL HOMOGENIZATION

Globalization has also led to the erosion of cultural identities and traditions, as dominant cultures overshadow local ones. This cultural homogenization undermines the social fabric of communities and can lead to social tensions and conflicts. Studies highlight how indigenous cultures and languages are at risk of extinction due to the pervasive influence of global cultural norms (Gibson & Dunbar, 2019)

THE ROLE OF TECHNOLOGY DIGITAL DIVIDE

Access to technology and the internet is unevenly distributed, leading to a digital divide that mirrors and exacerbates other social inequalities. Those without access to digital tools and skills are at a significant disadvantage in terms of education, employment, and social participation. A study by the International Telecommunication Union (ITU) found that nearly half of the world's population remains offline, with significant disparities between urban and rural areas (ITU, 2021).

SURVEILLANCE AND PRIVACY

Technological advancements have also raised concerns about surveillance and the erosion of privacy. Governments and corporations can use technology to monitor and control populations, often disproportionately targeting marginalized groups. Research indicates that surveillance technologies are frequently deployed in ways that reinforce social and racial biases (Lyon, 2018)

EMPOWERMENT THROUGH TECHNOLOGY

On the positive side, technology can be a powerful tool for social justice. It can facilitate access to information, enable social mobilization, and support education and skill development. Initiatives such as online education platforms and digital activism have shown promise in empowering marginalized communities and promoting social change (Bonilla & Rosa, 2015).

POLICY REFORMS FOR SOCIAL JUSTICE ECONOMIC POLICIES

Policies that promote inclusive economic growth are essential. This includes progressive taxation, social safety nets, and measures to ensure fair wages and working conditions. Research highlights the effectiveness of

redistributive policies in reducing economic inequality and promoting social justice (Piketty, 2014).

EDUCATION AND HEALTH

Access to quality education and healthcare is fundamental to social justice. Policies should focus on providing universal access to these services, particularly for marginalized groups. Studies show that investment in education and healthcare significantly improves social outcomes and reduces inequality (Sen, 1999).

LEGAL AND INSTITUTIONAL REFORMS

Strengthening legal and institutional frameworks to protect human rights and promote social justice is crucial. This includes ensuring access to justice, protecting labor rights, and addressing discrimination and bias in legal systems. Research underscores the importance of robust legal frameworks in promoting social justice and protecting vulnerable populations (Rawls, 1971).

ISLAMIC WORLDVIEW AND SOCIAL JUSTICE IN AN OPEN WORLD

The Islamic worldview emphasizes social justice as a fundamental principle, deeply rooted in the teachings of the Quran and the Hadith (sayings of the Prophet Muhammad). Islam advocates for the equitable distribution of wealth, the protection of human rights, and the provision of social welfare to ensure the well-being of all individuals in society. Zakat (charitable giving) and Sadaqah (voluntary charity) are central tenets that promote economic justice and support for the underprivileged. In an open world, the Islamic perspective on social justice underscores the importance of compassion, mutual aid, and community solidarity across borders. This worldview

encourages Muslims to engage in social activism, support humanitarian efforts, and work towards the eradication of poverty and injustice globally. By fostering a sense of global brotherhood and emphasizing ethical conduct in all aspects of life, the Islamic approach to social justice aligns closely with the broader goals of creating a fair and equitable world.

POWERFUL ECONOMIES AND SOCIAL JUSTICE: THE CASE OF PALESTINE - ECONOMIC DISPARITIES

The economic disparities between Israel and Palestine are stark, with Israel having a much stronger and more developed economy. This economic imbalance has profound effects on the social and economic conditions in Palestine. Studies show that the economic blockade and restrictions on movement imposed by Israel have severely hindered Palestinian economic development, leading to high levels of unemployment and poverty (Roy, 2016).

RESOURCE ALLOCATION

The control over resources such as water and land is a critical issue in the Israeli-Palestinian conflict. Powerful economies and political alliances have supported policies that disproportionately favor Israel, leading to significant resource deprivation for Palestinians. Research highlights the inequitable distribution of water resources, with Israel controlling a majority of the water supply, leaving Palestinians with limited access (Selby, 2013).

POLITICAL INFLUENCE

The political influence of powerful economies, particularly the United States, has played a significant role in shaping the dynamics of the Israeli-Palestinian conflict. The U.S. has consistently provided substantial economic and military aid to Israel, reinforcing its position in the region. This support

has often been criticized for undermining efforts towards a fair and just resolution to the conflict. Analyses suggest that U.S. foreign policy in the Middle East has prioritized strategic alliances over social justice considerations (Mearsheimer & Walt, 2007).

HUMAN RIGHTS VIOLATIONS

The ongoing conflict has led to numerous human rights violations, disproportionately affecting Palestinians. The use of military force, restrictions on movement, and other oppressive measures have resulted in significant suffering and deprivation for the Palestinian population. Reports from human rights organizations detail the impact of these actions on the daily lives of Palestinians, including restricted access to healthcare, education, and employment (B'Tselem, 2020).

CONCLUSION

Social justice in an open world is a complex and multifaceted challenge. Globalization and technological advancements present both opportunities and challenges in the pursuit of a more just society. Addressing economic inequality, ensuring equitable access to technology, and implementing comprehensive policy reforms are essential steps towards achieving social justice.

Additionally, the actions of powerful economies can undermine social justice, as seen in the case of Palestine, where economic disparities, resource allocation, political influence, and human rights violations highlight the significant barriers to achieving a fair and just society. As we navigate an increasingly interconnected world, it is imperative to adopt a holistic approach that considers the diverse dimensions of social justice and strives to create a fair and equitable global society.

REFERENCES

Chancel, L., Piketty, T., Saez, E., & Zucman, G. (2022). World Inequality Report 2022.

Smith, N., & Johns, M. (2018). Global Labor Conditions in the Textile and Electronics Industries.

Gibson, C., & Dunbar, T. (2019). Cultural Homogenization and Globalization.

International Telecommunication Union (ITU). (2021). The Digital Divide: Global Disparities in Access to Technology.

Lyon, D. (2018). Surveillance Society: Implications for Privacy and Social Justice.

Bonilla, Y., & Rosa, J. (2015). Digital Activism and Social Justice Movements.

Piketty, T. (2014). Capital in the Twenty-First Century.

Sen, A. (1999). Development as Freedom.

Rawls, J. (1971). A Theory of Justice.

Roy, S. (2016). The Gaza Strip: Economic Strangulation.

Selby, J. (2013). The Israeli-Palestinian Water Conflict.

Amnesty International. (2021). Military Operations in Palestine.

B'Tselem. (2020). Human Rights in Palestine.

Thabet, A., & Vostanis, P. (2017). The Mental Health of Palestinian Children.

محترمہ ڈاکٹر غزالہ حسن قادری کا وکٹورین پارلیمنٹ میں منعقدہ کانفرنس

بعنوان: Empowering Women's through Islamic Principles & Role of Minhaj-ul-Quran Women League

سے بطور چیف گیسٹ خصوصی خطاب

منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیر انتظام مرکزی سیکرٹریٹ منہاج القرآن انٹرنیشنل پر

سیدہ زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا کانفرنس 2024ء

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
AUG-2024
LAHORE
Regd CPL No.45

ADMISSIONS
FALL 24

Minhaj University Lahore

Ph.D. | M.Phil | BS | BS 5th SEMESTER | ADP

IN THE FACULTIES OF

ALLIED HEALTH SCIENCES
APPLIED SCIENCES
BASIC SCIENCES & MATHEMATICS
COMPUTER SCIENCE, INFORMATION TECHNOLOGY & SOFTWARE ENGINEERING
ECONOMICS & MANAGEMENT SCIENCES
ENGINEERING AND TECHNOLOGY
LANGUAGES
LAW
SOCIAL SCIENCES & HUMANITIES

Apply Now

03 111 222 685, 042 35145629
www.admission.mul.edu.pk
Minhaj University Lahore, Madar-e-Millat Road,
Near Hamdard Chowk, Township Lahore